اردو کا کلاسیکی ادب

بہارستانِ ناز

تذکرۂ شاعرات

از

حکیم فصیح الدین رنجؔ

مرتبہ

خلیل الرحمان داؤدی

مجلس ترقی ادب ○ لاہور

بہارستان ناز اردو کا اولین تذکرۂ شاعرات ہے جو ۱۸۶۴ع میں شائع ہوا۔ اس سے پہلے شاعرات کا ذکر دوسرے تذکروں میں ضمناً کیا جاتا تھا اور کوئی ایسا تذکرہ موجود نہ تھا جس میں صرف خواتین کے کمال فن پر اظہار خیال کیا گیا ہو۔ حکیم فصیح الدین رنج و طبیب خود ایک قادرالکلام شاعر اور بلند پایہ انشا پرداز تھے۔ بہ حیثیت طبیب موصوف کا حلقۂ تعارف بھی نہایت وسیع تھا۔ تذکرے میں شامل شاعرات کے سوانح حیات کی فراہمی اور تحقیق میں فاضل مؤلفؒ نے اپنی براہ راست معلومات کے علاوہ احباب کے مشوروں اور رہ نمائی سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا اور کوشش کی کہ کوئی قابل ذکر شاعرہ شامل کتاب ہونے سے رہ نہ جائے۔ موصوف نے مواد کی صحت میں بھی اس قدر اہتمام برتا کہ پوری کتاب میں کم ہی مقامات ایسے ہو سکتے ہیں جہاں کلام کی گنجائش ہو۔ کلام کے انتخاب میں حکیم صاحب کی بالغ نظری اور بلند مذاق ہر جگہ نمایاں ہے، اور آن کے انداز تحریر کی شگفتگی و شوخی کتاب کو اردو کے نثری ادب میں شہ پارے کا مقام عطا کرتی ہے۔

طبع اول ، مارچ ، ۱۹۶۵ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، لاہور

مہتمم : محمد ذوالفقار خان

قیمت : چار روپے پچاس پیسے

بعونِ صانعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۵۳

اردو کا کلاسیکی ادب

بہارستانِ ناز

تذکرۂ شاعرات

از

حکیم فصیح الدین رنج

ناشر

مجلسِ ترقیٔ ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست

مقدمہ

بهارستان ناز

فهرست عندلیبان خوش نوا جو اس گلشن همیشه بہار میں نغمہ سنج هیں

حرف الالف

ردیف الباء

حرف التاء

حرف الثاء

حرف الجیم

حرف الحاء

حرف الخاء

حرف الدال مهمله

حرف الذال

حرف الراء مهمله

حرف الزاء

حرف السین مهمله

حرف الشین

حرف الصاد

حرف الضاد

حرف الطاء

حرف الظاء

حرف العین

حرف الغین

حرف الفاء

حرف القاف

ی

حرف المیم

حرف النون

حرف الواؤ

حرف الهاء

حرف الیاء

مقدمه

از

خلیل الرحمان داؤدی

حالات مصنف

آبا و اجداد | حکیم محمد فصیح الدین رنج و طبیب اگرچہ میرٹھی مشہور ہیں لیکن دراصل میرٹھ میں ان کی ننھیال تھی ۔ ان کا آبائی وطن قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر تھا ۔ ان کا خاندان بنی اسرائیل کہلاتا ہے اور آج بھی بلند شہر میں محلہ بنی اسرائیل موجود ہے ۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سکندر آباد میں رنج کے اجداد میں سب سے پہلے کون اور کب آیا ۔ افسوس ہے کہ رنج کے حالات کے قلم بند کرنے میں معاصر تذکرہ نگاروں نے بڑی کوتاہی کی ہے ۔ کسی تذکرے میں بھی چند سطور سے زیادہ نہیں ملتا ۔ رنج کی اپنی تصنیفات بھی اس سلسلے میں خاموش ہیں ۔ تذکرہ بہارستان ناز کے دیباچے ، کلیات رنج کے دیباچے و خاتمے ، تذکرہ سخن شعراء مؤلفہ عبدالغفور خاں نساخ ، خمخانۂ جاوید مؤلفہ لالہ سری رام ، حواشیٔ مکاتیب غالب مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی اور تلامذۂ غالب مؤلفہ مالک رام سے رنج کے حالات کے متعلق بہت ہی کم معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ ان میں سب سے زیادہ تفصیلاً ذکر مالک رام صاحب نے کیا ہے ، لیکن اس کا بھی کچھ حصہ سنی سنائی باتوں پر مشتمل معلوم ہوتا ہے ۔ انھوں نے اپنے ماخذ میں جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں ان میں وہ باتیں موجود نہیں ہیں ۔ بہر حال مؤلف 'بہارستان ناز' کے ذاتی حالات بہت ہی کم دستیاب ہوئے ہیں ۔

قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں بنی اسرائیلان کا ایک قدیم محلہ موجود ہے ۔ تذکرہ نگاروں نے حکیم محمد فصیح الدین رنج

کی قوم 'بنی اسرائیل' لکھی ہے[1] - بنی اسرائیل کے سلسلے میں مولوی غیاث الدین صاحب 'غیاث اللغات' رقم طراز ہیں[2] :

"بنی اسرائیل اولاد یعقوب علیہ السلام - چہ اسرائیل بزبان عبری لقب یعقوب علیہ‌السلام است - چہ 'اسرا' بالکسر بمعنی برگزیدہ و 'ئیل' اسم حق تعالٰی از لطائف و در منتخب نوشتہ کہ لفظ سریانی است و بعضے گفتہ کہ اسرائیل بمعنی بندۂ خدا ست -"

بہر حال رنج کا تعلق بنی اسرائیلان سے تھا - معلوم نہیں کہ رنج کے اجداد میں سے کون قصبہ سکندر آباد کو چھوڑ کر میرٹھ میں آباد ہوا - حکیم محمد فصیح الدین رنج کے والد صاحب کا اسم گرامی محمد قمر الدین تھا - کلیات رنج کے قطعات تاریخیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرٹھ میں رنج کے ماموں مولوی محمد نصیر اللہ صاحب رہتے تھے اور رنج کی رہائش میرٹھ میں انھیں کے مکان واقع محلہ بنی سرائے میں تھی - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد قمرالدین صاحب کی شادی میرٹھ میں ہوئی تھی اور غالباً وہ اپنی سسرال میں ہی آ کر آباد ہو گئے تھے - میرے نزدیک مولوی محمد قمرالدین صاحب ہی پہلے بزرگ ہیں جو سکندر آباد سے میرٹھ منتقل ہوئے - مالک رام صاحب لکھتے ہیں : "یہ خاندان اصل میں سکندر آباد ضلع بلند شہر کا رہنے والا تھا جہاں سے رنج کے آبا و اجداد نقل مکان کر کے میرٹھ چلے آئے تھے -" (تلامذۂ غالب ، ص ۱۳۴)-

---

۱- سخن شعرا ، مؤلفہ عبدالغفور خان نساخ مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۹۱ -
حواشی مکاتیب غالب، مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، طبع چہارم، ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۰۰ -
'تلامذۂ غالب' مؤلفہ مالک رام ، ناشر مرکز تصنیف و تالیف نکودر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۳۴ -

۲- غیاث اللغات ، مطبوعہ نولکشور ، ۱۸۸۷ء صفحہ ۴۳ -

مالک رام صاحب کا خیال ہے کہ رنج کے والد نہیں بلکہ ان کے اجداد میں سے کوئی اور بزرگ میرٹھ آئے تھے ۔ لیکن مالک رام صاحب نے بالصراحت تحریر نہیں فرمایا کہ رنج کے آبا و اجداد میں کون اور کب میرٹھ منتقل ہوا ۔ میرا خیال ہے کہ یہ مالک رام صاحب کا قیاس ہے جس کی بنا کسی معقول شہادت پر نہیں ہے ۔ 'کلیات رنج' مطبوعہ ۱۳۰۸ ھجری مطابق ۱۸۹۱ عیسوی کے خاتمے پر قطعات تاریخ انطباع دیوان ہیں ۔ ان قطعات میں ایک قطعہ 'منشی محمد وحید الدین صاحب رئیس سکندر آباد ضلع بلند شہر برادر کہیں حضرت مصنف مرحوم' ہے جس سے سن ۱۳۰۸ ھجری نکلتا ہے ۔ یہ حکیم فصیح الدین رنج کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں جو آخر عمر تک سکندر آباد میں ہی رہے اور ننھیال میں میرٹھ نہیں آئے ۔

رنج کے والد مولوی محمد قمر الدین صاحب کے متعلق بھی ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے ۔ صرف اتنا ہی پتا چلتا ہے کہ ان کی شادی میرٹھ میں مولوی محمد نصیر اللہ صاحب کی لڑکی سے ہوئی تھی ۔ مالک رام صاحب معلوم نہیں کس سند کی بنا پر بغیر کسی حوالے کے رقم طراز ہیں : ''رنج کے والد حکیم مولوی قمرالدین اپنے فن میں ماہر اور اسی سلسلے میں مہاراجہ سیندھیا کے دربار سے منسلک تھے ۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں یہ رخصت پر وطن چلے آئے تھے ۔ جب ہنگامہ فرو ہوا تو مہاراجہ بہادر نے انھیں طلب فرمایا لیکن خدا معلوم کیوں یہ پاؤں توڑ کر یہیں کے ہو رہے اور واپس نہ گئے ۔ اس کے بعد کہیں ملازمت نہیں کی ۔ مہوسی کا بھی شوق تھا ۔'' (تلامذۂ غالب ، ص ۱۳۳) ۔

مالک رام صاحب نے یہ سب کچھ بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے ۔ تعجب ہے کہ انھوں نے اپنا ماخذ کیوں پردۂ اخفا میں رکھا ۔

رنج کے والد مولوی محمد قمر الدین کا انتقال ۱۸۸۳ء مطابق ۱۲۹۹ھ میں ہوا ۔ ان کے بیٹے حکیم محمد فصیح الدین نے تاریخ وفات نکالی جس سے سن ۱۲۹۹ ہجری برآمد ہوتا ہے ۔ مولوی قمرالدین صاحب کے متعلق تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ طبیب تھے یا نہیں ۔ میرا خیال ہے کہ حکیم فصیح الدین صاحب کے یہاں طبابت کا آغاز خود انھی سے ہوتا ہے ۔ اُن کے والد مولوی قمرالدین صاحب طبیب نہیں تھے ۔ کلیات رنج کے خاتمے پر میرٹھ کے ایک نامور بزرگ حافظ امداد حسین صاحب ظہور و عرفانی کی تقریظ میں رنج کے والد کو صرف " شیخ محمد قمر الدین " لکھا ہے ۔ اگر وہ بھی طبیب ہوتے تو وہ رنج کی طرح ان کو بھی حکیم ضرور لکھتے ۔ بہرحال میرے پاس ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر شیخ محمد قمر الدین صاحب کو طبیب کہہ سکوں ۔

ولادت | حکیم محمد فصیح الدین رنج و طبیب میرٹھی کے مقام پیدائش کا بھی علم نہیں ہے کہ وہ سکندر آباد میں پیدا ہوئے یا میرٹھ میں ان کی ولادت ہوئی ۔ سکندر آباد ان کے والد صاحب کا گھر تھا اور میرٹھ میں ان کی ننھیال تھی ۔ سن ولادت کو بھی کسی نے صراحتاً قلم بند نہیں کیا ہے ۔ کلیات رنج کے خاتمے میں حافظ امداد حسین ظہور و عرفانی کی تقریظ ہے جس میں انھوں نے رنج کی وفات ۳۱ مارچ ۱۸۸۵ء یوم دو شنبہ بتائی ہے اور عمر ۴۹ سال لکھی ہے ۔ اس اعتبار سے رنج کا سن ولادت ۱۸۳۶ء نکلتا ہے ۔ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے رنج کے معاصرین میں مولانا محمد حسین آزاد دہلوی ، خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی ، نواب مرزا خان داغ دہلوی اور امیر مینائی وغیرہ ہیں ۔

تعلیم و تربیت | حکیم محمد فصیح الدین رنج کی تعلیم و تربیت کا تمام زمانہ میرٹھ میں گزرا ۔ ہمارے پاس اس سلسلے میں معاصرانہ

شہادتیں موجود ہیں ۔ حافظ امداد حسین صاحب نے کلیات رنج کے خاتمے پر لکھا ہے[1] ۔

"مصنّفِ با کمال ، مقبولِ ذوالجلال نے اپنے سن تمیز تک تحصیل علوم و تکمیل فنون میں بسر کی ۔ علم درسی مولوی نصیراللہ صاحب مرحوم اپنے عم بزرگوار سے حاصل کیا ۔"

رنج نے جملہ علوم متداولہ کی تکمیل بہم پہنچائی تھی ۔ عربی اور فارسی کے رسمی نصاب کو پورا کیا تھا اور اس سلسلے میں ان کا زانوے تلمذ اپنے حقیقی ماموں مولوی نصیر اللہ صاحب کے سامنے تہہ ہوا تھا ۔ طب کی تعلیم انھوں نے میرٹھ کے مشہور طبیب حکیم سعادت علی خاں سے حاصل کی تھی ۔ رنج نے اپنے اُستاد حکیم سعادت علی خاں صاحب مرحوم میرٹھی کا قطعۂ تاریخ وفات بھی نظم کیا تھا جو یہ ہے[2] :

جب سعادت خاں طبیبِ بے مثال و لاجواب
جانبِ جنت سدھارے چھوڑ یہ سپنج سرائے

چرخ کافر نے دکھایا غم جو مجھ غم دیدہ کو
حق کسی کافر کو بھی ایسا نہ ہرگز غم دکھائے

کب اُٹھے دنیا سے وہ محروم گویا ہم نشیں
ہم کو دنیا سے اُٹھایا موت نے بیٹھے بٹھائے

اُٹھ گیا سر پر سے جس کا رعب تھا چھایا ہوا
کیوں نہ عزرائیل خوش ہو ہو کے اب بغلیں بجائے

ایک تھا سو داخلِ خُلدِ معلّٰی ہو گیا
بے معالج کے تپ و لرزہ زمیں کا خاک جائے

ہو شفا دورانِ سر کو کیا ، نہیں ویسا طبیب
آسماں پھرتا ہے سر پر ابر کا صندل لگائے

۱۔ 'کلیات رنج' مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۰۹ھ ، صفحہ ۱۲۶ ۔

۲۔ 'کلیات رنج' مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۰۹ھ ، صفحہ ۱۰۷ ۔

فکر تاریخ وفات خان جنت خواب میں
رنج میں مغموم بیٹھا تھا سر حیرت جھکائے
ناگہاں آئی لب افسوس سے مجھ کو ندا
ایک عیسیٰ تھا سو لو اوس کو بھی آئی موت وائے

۱۲۸۰ھ

فن طب میں رنج کے اُستاد حکیم سعادت علی خاں کا انتقال ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں ہوا ۔ فن شاعری میں رنج اُس عہد کے ممتاز ترین شاعر مرزا غالب دہلوی کے شاگرد ہوئے ۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ رنج کس زمانے میں مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور یہ شاگردی کا زمانہ کتنا ہے ۔ افسوس ہے کہ مالک رام صاحب، ' تلامذۂ غالب ' میں رنج کے حالات لکھتے ہوئے مرزا غالب سے ان کی وابستگی اور تعلق کو تقریباً بالکل نظر انداز کر گئے ہیں ۔ رنج اور غالب کے متعلق وہ دو سطریں بھی نہ لکھ سکے ، حالاں کہ کتاب کے عنوان کا تقاضا تھا کہ وہ رنج اور غالب کے تعلقات پر کچھ روشنی ڈالتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ' تلامذۂ غالب ' میں رنج کے حالات لکھتے وقت یہ بالکل بھول گئے کہ وہ غالب کے کسی شاگرد کا حال لکھ رہے ہیں ۔

' کلیات رنج ' میں مرزا غالب کے اردو دیوان کے متعلق ایک قطعۂ تاریخ ملتا ہے جو یہ ہے :

" قطعۂ تاریخ دیوان ریختہ اوستادی غالب سلمہ اللہ تعالیٰ "

اسد اللہ خان غالب کا
ریختہ کا وہ نسخۂ دل خواہ
پھر بصحت چھپا بطرز جدید
ہو نظارے سے جس کے تیز نگاہ
کیا سخن پاک ہے کہ کرتی ہے
محو اشعار شست و شوئے گناہ

مست کہتے ہیں یوں مزا چکھ چکھ
کیا شراب دو آتشہ ہے واہ

۱۲۷۷ھ

رنج نے یہ قطعۂ تاریخ مرزا غالب کے دیوان کے اس نسخے کے متعلق لکھا تھا جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد پہلی بار مطبع احمدی واقع شاہدرہ دہلی میں ۱۲۷۷ھ میں باہتمام مولوی محمد حسین چھپا تھا اور اس میں کافی اغلاط موجود تھیں۔ مرزا غالب نے اسی نسخے کی تصحیح کر کے مولوی محمد حسین کو مکرر طباعت کے لیے دیا تھا جو ۱۲۷۸ھ میں مطبع نظامی کان پور سے شائع ہوا۔ رنج نے دیوان غالب کی تیسری اشاعت کے لیے یہ قطعہ تاریخ لکھا تھا۔ اس سے پہلے دیوان غالب ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۷ء میں دو بار شائع ہو چکا تھا۔

رنج نے اپنی تعلیم و تربیت کا تمام زمانہ اپنے ماموں حکیم مولوی محمد نصیر اللہ صاحب کے یہاں میرٹھ میں ہی گزارا اور عربی و فارسی کی تعلیم بھی اپنے ماموں سے ہی حاصل کی۔ مولوی محمد نصیر اللہ صاحب اپنے عہد کے عالم متبحر تھے۔ کلیات رنج کے قطعات تاریخیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد نصیر اللہ صاحبِ تصانیف بھی تھے۔ چنانچہ رنج نے ان کی ایک کتاب 'معدن القصص' کا قطعۂ تاریخ لکھا ہے جو یہ ہے:

"قطعۂ تاریخ تالیف نسخۂ 'معدن القصص' مؤلفہ
جناب ماموں مولوی محمد نصیر اللہ صاحب قبلہ:

نسخہ معدن القصص تالیف
ساخت چوں قبلہ ام نصیر اللہ

بہ سپہر کمال مہر منیر
بہ اقالیم علم شاہنشاہ

چه کتابے که خضر باید گفت
راه گم کرده را نماید راه
چون شنیدند عرشیاں گفتند
مرحبا مرحبا جزاک الله
شود افسانه ما جرائے حسین
اے دریغا سپهر سینه سیاه
از لب وصف گفت رنج حزیں
حبذا قبله ام نصیر الله

۱۲۸۱ھ

مولوی نصیراللہ صاحب بھی طبیب تھے ۔ مالک رام صاحب لکھتے ہیں : " رنج نے عربی فارسی اور طب کی تعلیم اپنے حقیقی ماموں اور خسر مولوی نصیر اللہ سے پائی جو ریاست دتیا کی ملازمت ترک کرکے اپنے مکان پر مقیم ہو گئے تھے۔" (تلامذۂ غالب ، ص ۱۳۴) ۔ مولوی نصیر اللہ صاحب کی ملازمتِ دتیا کے متعلق یہ ایک انکشاف ہوا ہے ۔ معلوم نہیں مالک رام صاحب نے یہ بات کہاں سے اڑائی ہے ۔ انھوں نے اپنے مقالے کے خاتمے پر جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں اُن میں تو یہ بات موجود نہیں ہے ۔

رنج اکتساب علوم و فنون کے سلسلے میں بہارستانِ ناز کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

" ابتداء سن شعور سے خوشه چینی خرمن ارباب ہر فن کا شوق رہا ، بدوِ فطرت سے حسن سیرت و صورت کا ہمیشه ذوق رہا ۔ شمع جمال شاهدان مضامین پر دل کو پروانه ساں جلایا ۔ صحبت ارباب سخن میں ہر رنگ سے اپنا رنگ جمایا ۔ کبھی سلسلۂ نظم میں اسیر رہا ، کبھی خیال نثر میں وقف تحریر رہا ۔ چندے فن حکمت پر طبیعت آئی ، مطب کا سر میں

سودا سمایا ۔ کبھی ہیئت و ہندسے کی مشق بڑھائی مگر اضطراب قلب مضطر سے کوئی حساب درست نہیں آیا ۔ گاہ علم دینیات میں وقف اہتمام رہا ، کبھی صرف و نحو میں کلمہ و کلام رہا ۔ کبھی منطق کے قضیوں میں جان کھپائی ، گاہ معنی و بیان کی بلاغت پسند آئی ۔ کبھی علم تکسیر کا نقشہ جمایا پر بغض و حسد سے اپنے تئیں بچایا ۔ غرض کہ طبیعت نے ہزاروں رنگ دکھائے ۔" (دیباچۂ بہارستان ناز ، طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۴) ۔

بہر حال اتنا مسلّم ہے کہ رنج جملہ علوم رسمیہ سے کما حقّہ' آگاہ تھے ۔

مشاغل | میرٹھ میں رنج کی ننھیال تھی ۔ تحصیل علوم کے بعد رنج اپنے ماموں حکیم مولوی نصیر اللہ صاحب کے ساتھ ہی مقیم ہو گئے تھے اور مالک رام صاحب کے بقول "ماموں کی زندگی بھر رنج انھیں کے ساتھ کام کرتے رہے اور ان کے انتقال کے بعد اپنا مطب شروع کیا ۔" (تلامذۂ غالب ، صفحہ ۱۳۴) ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں حکیم محمد فصیح الدین صاحب کی کوئی جائداد نہیں تھی ۔ وہ میرٹھ میں اپنے ماموں کے گھر مقیم تھے لیکن وہاں بھی معقول ذرائع معاش نہیں تھے اور حکیم فصیح الدین صاحب کا ابتدائی زمانہ عسرت میں گزرا ۔ وہ تلاش معاش کے سلسلے میں میرٹھ سے باہر بھی گئے ۔ مثلاً علی گڑھ کا جانا تو ان کے تذکرے 'بہارستان ناز' کے دیباچے سے واضح ہے ۔ 'بہارستان ناز' کے دیباچے سے چند جملے پیش کرتا ہوں :

" لیکن ضیق فرصت و قلت معاش سے قلب کا کچھ اور ہی حال ہے ۔" (دیباچہ طبع دوم صفحہ ۲) ۔

"پھر تو پراگندگی نے وہ سر اٹھایا کہ ہوائے کلفت نے تمام جسم کو بگولہ ساں ہر طرف اڑایا ۔ انواع انواع کے افکار پیش آئے ۔ من دانم و دل ۔ جو کچھ کہ صدمے اٹھائے، ایک کوہِ مصیبت کا تن زیر بار ہوا ۔ اس تنہائی میں ایک رنج البتہ یار ہوا ۔ گردش فلکی نا مساعدت بخت سے مساعد ہوئی اور طرہ ہوا کہ بناء فاسد علی الفاسد ہوئی ۔ تلاش معاش نے ایک مدت تک چرخ دکھایا ، چرخ دوار نے برسوں بے نیل مرام پھرایا ۔ شکل طمانیت خواب میں بھی نظر نہ آئی ، یاس نے روز ایک نئی صورت دکھائی ۔ تدبیر نے ہر چند پاؤں مارے ، تقدیر کی برگشتگی سے سب کچھ ہارے ۔" (دیباچۂ طبع دوم ، صفحہ ۵) ۔

'بہارستان ناز' کی اشاعت ثانی ۱۸۶۹ء میں اور اشاعت ثالث ۱۸۸۲ء میں ہوئی ۔ اشاعت ثانی (۱۸۶۹ء) کے وقت رنج پریشان حال تھے اور ان کی معاش کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا ۔ چناں چہ اشاعت ثانی (۱۸۶۹ء) کے وقت رنج نے 'بہارستان ناز' کے دیباچے میں اپنی عسرت اور تنگی کا اظہار کیا ہے لیکن اشاعت ثالث (۱۸۸۲ء) کے وقت رنج کے حالات اطمینان بخش ہو گئے تھے اور اس وقت وہ میرٹھ کے رئیس مشہور تھے ۔ چناں چہ ۱۸۸۲ء میں طبع ثالث کے وقت حکیم محمد فصیح الدین رنج نے دیباچۂ طبع دوم سے وہ الفاظ اور جملے نکال دیے جن سے ان کی عسرت یا تنگی کا اظہار ہوتا تھا ۔ معلوم نہیں کہ رنج کے حالات نے یہ پلٹا کب کھایا ۔ ۱۸۶۹ء میں تو وہ اس قابل بھی نہیں تھے کہ کل ۷۶ صفحات پر مشتمل اپنے تذکرے 'بہارستان ناز' کو خود چھپوا سکتے ۔ اس کے مصارف کے لیے انھوں نے دو انگریز افسروں کی امداد حاصل کی ۔ لیکن ۱۸۸۲ء میں وہ بہت آسودہ حال تھے ۔ حالات کی یہ تبدیلی ۱۸۶۹ء اور

۱۸۸۲ء کے درمیانی ۱۳ سال کے عرصے میں ہوئی ہے ۔ حالات کی تبدیلی نے حکیم صاحب کے ذہنی رجحانات کو بھی اس حد تک تبدیل کر دیا تھا کہ انھوں نے اپنے ماضی کو اپنے لیے شرم ناک سمجھ کر اسے چھپانے کی کوشش کی ۔ ۱۸۶۹ء میں طبع دوم کے وقت حکیم صاحب 'بہارستان ناز' کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

" نئے سر سے یہ تذکرہ پھر تالیف ہوا ، مگر افلاس نے مصارف طبع سے مؤلف کو مجبور کیا ، مجبور ہو کر حال واقعی عرض حضور کیا ۔ اس عرصے میں مؤلف قلت بسر اوقات سے گھبرایا ، تلاش معاش میں مقام علی گڑھ میں آیا ۔"

۱۸۸۲ء میں طبع سوم کے وقت حکیم صاحب نے اس عبارت کو اس طرح بدل ڈالا :

" نئے سر سے یہ تذکرہ پھر تالیف ہوا ۔ اسی عرصے میں مؤلف بہ عزم سیر مقام علی گڑھ میں آیا ۔"

۱۸۶۹ء میں طبع دوم کے وقت اس تذکرے کی طباعت کے مصارف مسٹر جارج ارنسٹ وارڈ جنٹ مجسٹریٹ میرٹھ اور مسٹر اسمٹ مہتمم بندوبست علی گڑھ نے برداشت کیے تھے ۔ چنانچہ طبع دوم کے دیباچے میں حکیم صاحب نے لکھا تھا :

" غریب نوازی سے داد سخن دی ۔ عاجز کو خورسند کیا ۔ کمال کشادہ پیشانی سے دونوں صاحبوں نے عطائے کل مصارف طبع کا اقرار کیا اور مؤلف کے اہتمام پر صاحبان ممدوح نے چھپنے کا اعتبار کیا ۔ مطبع دارالعلوم میرٹھ میں چھپنے کی اجازت ہوئی ۔" (دیباچہ طبع دوم ، صفحہ ۹)

لیکن ۱۸۸۲ء میں طبع ثالث کے وقت حکیم صاحب نے اس عبارت کو اسی طرح تبدیل کر دیا :

" داد سخن دی ، عاجز کو خورسند کیا ۔ مطبع دارالعلوم

میرٹھ میں چھپنے کی اجازت ہوئی۔''

بہر حال 'بہارستان ناز' کی اشاعتِ ثالث ۱۸۸۲ء تک رنج کے حالات اطمینان بخش ہوگئے تھے۔ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں، رنج نے زندگی بھر ملازمت نہیں کی۔ میرٹھ میں ان کا مطب خوب چمکا۔ نسوانی امراض کے علاج میں رنج کو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ حکیم محمد فصیح الدین رنج نے اپنے پیشۂ طبابت سے خوب کمایا اور نام پیدا کیا۔ ان کی شادی بھی اپنے ماموں نصیر اللہ صاحب کی دختر سے ہوگئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی نصیر اللہ صاحب کے اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ اس لیے مولوی نصیر اللہ صاحب کی وفات کے بعد رنج ہی ان کی املاک کے وارث بھی ہوئے۔ اس طرح سے مولوی نصیر اللہ صاحب کے گھر میں رنج نے اپنی نسل کی بناء ڈالی۔

کلیاتِ رنج کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رنج نے ایک قصیدہ 'در تہنیت جشن مسند نشینی نواب کلب علی خان بہادر والیٔ رام پور' بھی لکھا تھا۔ لیکن نواب کلب علی خان سے رنج کے تعلقات مطلقاً نہیں تھے۔ بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ رنج نے یہ قصیدہ لکھ کر اپنے استاد مرزا غالب کو دہلی بھیج دیا تھا اور مرزا غالب نے یہ قصیدہ کلب علی خان کے میر منشی سلیچند کو بھیجا تھا۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی نے مرزا غالب کے وہ خطوط جو نواب یوسف علی خان ناظم اور نواب کلب علی خان مرحوم کو لکھے تھے، ترتیب دے کر 'مکاتیب غالب' کے عنوان سے ۱۹۳۷ء میں پہلی بار مطبع قیمہ بمبئی سے شائع کیے۔ اس مجموعے کے آخر میں چھ خط منشی سلیچند صاحب میر منشی والیٔ رام پور کے نام ہیں۔ 'مکاتیب غالب' کے بعد کے ایڈیشنوں میں خطوط کا اضافہ ہوا اور حواشی بھی لکھے گئے۔ چناں چہ میرے پیش نظر اس کی

طبع چہارم ۱۹۴۶ء ہے جس میں منشی سُلیچند کے نام سات خط ہیں۔ ان میں یہ مرقومۃالذیل خط بھی شامل ہے جو 'مکاتیب غالب' طبع اول میں نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط عرشی صاحب کو بعد میں ملا ہے۔ چوں کہ اس خط کا رنج کے قصیدے سے تعلق ہے اس لیے میں اسے پیش کر رہا ہوں :

"منشی صاحب سعادت و اقبال نشان ، منشی سُلیچند صاحب طال عمرہ ! تین صاحبوں نے اطراف و جوانب سے تین قصیدے میرے پاس بھیجے ہیں۔ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ اگر حضور میں نہ گزرانوں اور ان کو لکھوں کہ میں نے گزران دیے تو یہ جھوٹ بولنا ہوتا ہے اور میں جھوٹ سے بیزار ہوں۔ گزرانتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ ادب رخصت نہیں دیتا۔ ناچار وہ تینوں قصیدے تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ یہی ان صاحبوں کولکھوں گا کہ میں نے میر منشی کو حوالے کر دیے۔

۱۔ سید فرزند احمد بلگرامی صفیر تخلص۔ یہ سید نور الحسن خان بلگرامی کا پوتا اور صاحب عالم پیر زادہ مارہرہ کا نواسا ہے۔

۲۔ حالی تخلص ، مولوی الطاف حسین۔ پانی پت کے رئیس ، عالم ، شاعر ، نواب مصطفٰی خان کے رفیق۔ قصیدۂ عربی۔

۳۔ تیسرے قصیدے کے خاتمے پر شاعر کا نام و نشان مرقوم"۔

(مکاتیب غالب ، طبع چہارم ۱۹۱۶ء ص ۱۱۱ ، ۱۱۲)

عرشی صاحب نے حواشی " مکاتیب غالب " لکھتے ہوئے ص ۲۰۰ پر تیسرے قصیدے کے مصنف حکیم محمد فصیح الدین رنج کا مختصر ذکر کرنے کے بعد قصیدہ نقل کر دیا ہے۔ اس قصیدے کے اختتام پر " شاعر کا نام و نشان " اس طرح مرقوم ہے :

"مدح طرازِ عقیدت آگہیں خاکِ راہِ آلِ محمد فصیح الدین بنی اسرائیل متلخص بہ رنج متوطن شہر میرٹھ۔"
یہی قصیدہ ہے جو 'کلیاتِ رنج' میں موجود ہے۔ نواب یوسف علی خان ناظم کا انتقال ۲۴ ذیقعد ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱- اپریل ۱۸۶۵ء کو ہوا۔ نواب کلب علی خان نے جشن مسند نشینی کے لیے دسمبر کا پہلا ہفتہ مقرر کیا تھا۔ مرزا غالب نے اس کو جشن جمشیدی لکھا ہے۔ مرزا غالب نے بھی اس تقریب پر ایک فارسی نثر اور ۳۰ شعر کا ایک قصیدہ پیش کیا تھا۔ غرض کہ رنج نے یہ قصیدہ مرزا غالب کے ذریعے نواب کلب علی خان کو بھیجا تھا۔ مرزا غالب نے وہ منشی سلیچند کو بھیج دیا تھا۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ رنج کے تعلقات نواب کلب علی خان سے تھے۔

کلیات رنج میں ہی ایک اور قصیدہ "تہنیت در بار یکم جنوری ۱۸۷۷ عیسوی" ہے۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء سے ملکہ وکٹوریہ فرماں روائے انگلستان و ہندوستان نے اپنے جلوس کے ۳۹ ویں سال میں خطاب 'شاہنشاہی' اپنے لیے منظور کیا تھا۔ یہ قصیدہ اسی تہنیت میں ہے۔

کلیات رنج کے قطعات تاریخیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رنج کا کوئی تعلق مہاراجہ تخت سنگھ والیٔ جودھپور سے تھا۔ چناں چہ ایک "قطعۂ تاریخِ ولادت فرزند ارجمند مہاراجہ تخت سنگھ بہادر والیٔ جودھپور" ہے جس سے عیسوی سن ۱۸۶۶ نکلتا ہے۔ اور دوسرا "قطعۂ تاریخ فتح قلعہ پانچھوٹہ ضلع جودھپور بہ سرکردگی مرزا حاجی محمد خان صاحب سلمہ اللہ تعالٰی" ہے جس سے سن ۱۸۶۷ عیسوی برآمد ہوتا ہے۔ لیکن سوائے ان دو قطعاتِ تاریخیہ کے اور کوئی تفصیل ہمیں رنج کی جودھپور سے وابستگی کی معلوم نہیں ہوئی۔

رنج کے قطعاتِ تاریخ میں ایک 'قطعۂ تاریخِ تیاری' مسجد لبِ آبِ چناب متصل قصبہ وزیر آباد پنجاب' ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ رنج پنجاب میں بھی آئے - یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کب اور کیوں آئے - وہ قطعۂ تاریخ یہ ہے:

ملّا ظہیر نے لبِ چناب واہ واہ
کیا مسجدِ بلند کی رکھی ہے یہ بنا
مسجد تو ہے بلند ولے در ہے مختصر
اس واسطے کہ رند بھی آوے تو سر جھکا
فرمایا مجھ سے صاحب موصوف نے کہ رنج
تاریخ لکھ کہ نام رہے حشر تک ترا
تھی فکر سال کی مجھے اس دم کہ یک بیک
آئی ندائے چرخ کہ ہے خانۂ خدا

۱۲۷۶ھ

اس قطعۂ تاریخ سے یہ واضح ہے کہ رنج پنجاب بھی آئے لیکن اس کا سن ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء ہے، اور یہ زمانہ 'بہارستانِ ناز' کی تالیف سے قبل کا ہے - اس زمانے میں رنج تلاشِ معاش کے سلسلے میں گھوم رہے تھے - ہو سکتا ہے کہ وہ اسی سلسلے میں پنجاب بھی پہنچے ہوں -

بہر حال حکیم محمد فصیح الدین صاحب رنج کا آخری زمانہ انتہائی آسودگی سے گزرا ہے -

وفات | کلیات رنج کے خاتمے پر حافظ امداد حسین صاحب ظہور و عرفانی رئیس میرٹھ کی تقریظ ہے - یہ تقریظ رنج کے انتقال کے صرف ۶ سال بعد ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۱ء) میں لکھی گئی ہے - اس سے واضح ہے کہ رنج مرنے سے پہلے ۸ ماہ تک استسقاء لحمی میں مبتلا رہے - بالآخر دو شنبہ کے دن ۳۱ مارچ ۱۸۸۵ء کو انتقال فرمایا - رنج کے دوست مسٹر جارج پیش المتخلص بہ شور نے تاریخ وفات نکالی:

خوشی شور کی لے گئی اپنے ساتھ نصیب اس کو ہے اب غم رنج آہ

اس سے ۱۳۰۲ ہجری برآمد ہوتے ہیں۔

رنج کے صاحب زادے حکیم محمد فخر الدین المتخلص بہ فخر نے بھی تاریخ وفات نکالی:

از لب بکا بگفت آہ رنج در گذشت

اس سے عیسوی سن ۱۸۸۵ء نکلتا ہے۔

انتقال کے وقت رنج کی عمر صرف ۴۹ سال کی تھی۔

اولاد حکیم محمد فصیح الدین رنج کی اولاد میں سے صرف حکیم محمد فخر الدین صاحب کا نام معلوم ہے۔ حکیم فخر الدین کی ولادت کا قطعۂ تاریخ کلیات رنج میں موجود ہے:

"قطعۂ تاریخِ ولادت باسعادت برخوردار نورِ چشم
محمد فخرالدین احمد طول‌عمرہ فرزند صاحب دیوان ہذا"

جب تولد ہوا مرے گھر میں میرا تفریح روح و لختِ جگر
جلوہ آرا ہوئے نشاط و سرور بن گیا آفتاب نور نظر
چمنِ عیش میں بہار آئی سخنِ تازہ بن گئی گلِ تر
تیری نعمت کا شکر کیا ہو ادا اے خدا وندِ اعظم و اکبر
تیری رحمت کا یہ تماشا ہے مجھے حاصل ہوا ہے کیفِ پسر
میرا نورِ نگاہ فخر الدیں بہمہ جاہ و شان و شوکت و فر
بہمہ عیش و عشرت و آرام پائے عالم میں کیف عمر خضر
دل نے تاریخ کا جو فکر کیا اور گیا سوئے طارم اخضر
بے سر امتحان سروش اے رنج بول اٹھا کہ لکھ نکو اختر

۱۲۷۶ھ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد فخر الدین کی پیدائش ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔ حکیم محمد فخر الدین صاحب بھی

طبیب تھے اور میرٹھ میں انھوں نے بڑی شہرت پائی ۔ جملہ علوم متداولہ میں دستگاہِ کامل حاصل تھی ۔ شاعر بھی تھے اور فخر تخلص تھا ۔ انھوں نے رنج کی وفات کے بعد ان کا کلام ترتیب دیا اور 'مخزن الفصاحت' المعروف بہ کلیات رنج کے عنوان سے شائع کیا ۔ حکیم محمد فخرالدین صاحب کی وفات ۵۵ سال کی عمر میں ۹؍ نومبر ۱۹۱۵ء کو ہوئی (تلامذۂ غالب ص ۱۳۴) ۔ ان کا مزار میرٹھ میں قبرستان شاہ سلطان بیرون بھساڑی دروازہ موجود ہے ۔ یہ قبرستان حکیم محمد فصیح الدین رنج کی نسل کے لیے مخصوص ہے اور ان کی اولاد یہاں مدفون ہے ۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے ، حکیم محمد فصیح الدین رنج و طبیب کے صرف ایک ہی صاحب زادے حکیم محمد فخر الدین تھے ۔ حکیم محمد فخر الدین صاحب مرحوم کے چار لڑکے ہوئے :

(۱) عرفان الحق صاحب مرحوم (۲) حکیم محمود الحق صاحب مرحوم (۳) مسعود الحق صاحب مرحوم (۴) امتیاز الدین صاحب مرحوم ۔ ان میں سے صرف ایک صاحبزادے 'محمود الحق' نے اپنا آبائی پیشہ طبابت اختیار کیا ۔ ان چاروں لڑکوں کی اولاد کی کیفیت یہ ہے :

۱۔ سب سے بڑے عرفان الحق صاحب تھے۔ عرفان الحق صاحب مرحوم کے چار صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں ہوئیں ۔ صاحب زادوں کے نام یہ ہیں : عمران الحق صاحب (بفضلہ حیات ہیں اور ریلوے ورکشاپ مغلپورہ لاہور میں فائر ماسٹر ہیں ۔ ان کے صرف ایک ہی بچہ ہے جس کا نام ہلال احمد ہے) ۔ اعجاز الحق مرحوم ، رضوان الحق صاحب (بفضلہ حیات ہیں اور گرنڈلیز بنک

لاهور میں ملازم ہیں ۔ ان کے دو صاحب زادے ہیں :
آصف رضوان اور عاس رضوان) ، وقار احمد صاحب
(بفضلہ حیات ہیں ۔ معاشیات کے ایم ۔ اے ہیں اور
فارمن کرسچن کالج لاہور میں معاشیات کے اُستاد ہیں ۔
ان کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی) ۔
صاحب زادیوں کے نام یہ ہیں : عقیلہ بیگم زوجہ سید
عبدالجلیل صاحب (بفضلہ حیات ہیں اور کراچی میں
اقامت گزیں ہیں) ، مطاہرہ بیگم زوجہ سید خلیل الدین
صاحب (بفضلہ حیات ہیں اور کوئٹہ میں مقیم ہیں)
شائستہ بیگم زوجہ سید ضیاء الدین صاحب (بفضلہ حیات
ہیں اور یہ بھی کوئٹہ میں ہی رہتی ہیں) ۔ خجستہ بیگم
(ان کا ۱۵ ، ۱۶ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا) ۔
اسماء بیگم زوجہ خورشید حسن صاحب (بفضلہ حیات ہیں
اور لاہور میں قیام فرما ہیں) ۔

۲۔ حکیم محمد فخرالدین صاحب مرحوم کے دوسرے صاحب زادے
حکیم محمود الحق صاحب مرحوم تھے جو اپنے والد ماجد
کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے ۔ ان کا انتقال
۱۹۵۰ء میں ہوگیا ۔ حکیم محمود الحق صاحب مرحوم
کے صاحب زادگان کے نام یہ ہیں : ۱۔ حکیم رضی الدین
مرحوم ۲۔ حکیم سیف الدین ۳۔ منصور الدین مرحوم ۴۔
صبیح الدین مرحوم ۔ ان میں سے آخری دونوں بچوں کا
انتقال صغرسنی میں ہی ہوگیا تھا ۔ سب سے بڑے
حکیم رضی الدین مرحوم تھے جو دھلی طبیہ کالج سے
فارغ التحصیل اور سند یافتہ تھے ۔ ان کا انتقال عین
عالم شباب میں ۱۹۴۶ء میں ہوگیا ۔ ان کی ایک لڑکی

فوضیہ ہے جس کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے اور ایک لڑکا ہے جسے بچپن میں جالی کہتے تھے، وہ بھی اب جوان ہے۔

حکیم محمود الحق صاحب مرحوم کے دوسرے صاحب زادے حکیم سیف الدین صاحب بفضلہ حیات ہیں اور اپنے والد مرحوم کے جانشین۔ وہ بھی طبیب ہیں اور خانوادۂ رخ کی میرٹھ میں یادگار۔ سنا ہے کہ حکیم سیف الدین صاحب کے بھی چار پانچ بچے ہیں لیکن مجھے ان کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ طبابت کا جو سلسلہ حکیم مولوی نصیر اللہ صاحب مرحوم سے شروع ہوا تھا وہ حکیم فصیح الدین رخ، حکیم فخر الدین اور حکیم محمود الحق کے واسطوں سے حکیم سیف الدین تک آپہنچا ہے۔ خدا اس سلسلے کو دیر تک قائم رکھے۔ آمین

۳۔ حکیم محمد فخر الدین صاحب مرحوم کے تیسرے بیٹے مسعودالحق صاحب مرحوم تھے۔ ان کے اولاد نرینہ نہیں تھی۔ صرف دو لڑکیاں چھوڑیں ۱۔ نجمہ (شادی ہو چکی ہے)، ۲۔ عظمہ (غیر شادی شدہ)۔

۴۔ حکیم فخر الدین صاحب کے چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحب زادے امتیاز الدین صاحب مرحوم تھے جنہیں عرف عام میں 'چھُٹّن' کہتے تھے۔ ان سے دو لڑکے اور ایک لڑکی یادگار ہیں۔ لڑکی کا نام اقبال سلطانہ ہے جو سید شاکر علی خلف الصدق سید ذاکر علی صاحب سے منسوب ہیں۔ لڑکوں میں بڑے ریاض الدین صاحب ہیں اور چھوٹے صلاح الدین صاحب۔ ریاض الدین صاحب بفضلہ حیات ہیں۔ کراچی میں بہت بڑے ٹھیکیدار ہیں، ان کے تین بچے ہیں جن کے نام مجھے

معلوم نہیں ہو سکے ۔ صلاح الدین صاحب مدت سے
فضائیہ پاکستان کی خدمت گزاری پر مامور ہیں ۔ آن کے
بھی تین بچے ہیں جن کے نام مجھے معلوم نہیں ہیں ۔

یہ ہے خانوادۂ رنج کی کیفیت ۔ حکیم محمد فصیح الدین رنج متوطن سکندر آباد ضلع بلند شہر نے اپنے ماموں حکیم مولوی نصیر اللہ صاحب کے یہاں میرٹھ میں سکونت اختیار فرمائی اور ابتدائی ایام عسرت و تنگ دستی سے گزارے ۔ لیکن بعد میں آنھوں نے اپنے دست و بازو سے اتنا پیدا کیا کہ آخری زمانے میں میرٹھ کے 'رئیس' مشہور ہوئے ۔ رنج کی یہ امارت وراثتاً منتقل ہوتی چلی گئی اور رنج کی اولاد میرٹھ کے رؤساء میں شمار کی گئی ۔ چناں چہ حکیم محمد فخرالدین ، حکیم محمود الحق اور حکیم سیف الدین کا شمار طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ میرٹھ کے رؤساء میں بھی ہوتا ہے ۔ حکیم محمود الحق صاحب مرحوم کے دوسرے تین بھائیوں کی اولاد بھی اسی طرح آسودہ حال ہے جس طرح حکیم محمود الحق صاحب مرحوم کی ۔ اگر فیروز مندی و بختاوری بھی نسل در نسل چل سکتی ہے تو حکیم فصیح الدین رنج کا خاندان اس کی ایک روشن مثال ہے ۔

تصانیف ۱۔ تذکرہ 'بہارستان ناز' اس کا مفصل ذکر آگے آئے گا ۔

۲ ۔ 'گلشن نعت' کلیات رنج کے آخر میں چند قطعات تاریخ ہیں ۔ پہلا قطعہ یہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رنج نے ایک اور کتاب 'گلشن نعت' بھی تصنیف کی تھی ۔
" قطعۂ تاریخ اختتام و انطباع کتاب 'گلشن نعت' تصنیف صاحب دیوان ھذا " :

مرے قلم سے مرتب ہوا یہ گلشن نعت
کہ رنج پڑھنے سے اس کے دل ملول کھلے
سنی یہ میں نے لب ابر فیض سے تاریخ
عجیب گلشن نعت نبی میں پھول کھلے"

اس قطعہ سے سن ۱۲۷۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب 'گلشن نعت' سن ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں تصنیف کی گئی تھی اور اسی سال چھپ گئی تھی۔ افسوس ہے کہ مجھے اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

۳۔ 'کلیات رنج' : حکیم محمد فصیح الدین المتخلص بہ رنج و طبیب میرٹھی شاگرد مرزا غالب دھلوی کے کلیات کا تاریخی نام 'مخزن الفصاحت' ہے جس سے ۱۳۰۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ رنج کا انتقال ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں ہوا۔ رنج کا یہ کلیات ان کی وفات کے بعد ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں مطبع ھاشمی میرٹھ سے مصنف کے صاحب زادے حکیم محمد فخر الدین نے مسٹر جارج پیش المتخلص بہ شور کی فرمائش پر طبع کرا کے شائع کیا تھا۔ ۲۱ سطری مسطر پر صفحات کی تعداد ۲۸۰ ہے۔ ترتیب یہ ہے:

۱۔ صفحہ ۲ و ۳ پر "دیباچہ از نیاز آگین کمترین خادم الاطباء محمد فخرالدین ابن حضرت مولف دیوان ھذا" ہے۔ دیباچے میں 'سبب تالیف' کے تحت لکھا ہے کہ حکیم فصیح الدین رنج کے انتقال کے بعد مسٹر جارج پیش المتخلص بہ شور اور منشی حکیم الدین احمد صاحب تحصیل دار کھیرا گڑھ ضلع آگرہ (جو بعد میں ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے[۱]) نے انھیں مرحوم کا کلام جمع اور شائع کرنے پر آمادہ کیا۔ چناں چہ ان کی فرمائش پر یہ مجموعہ مرتب ہوا اور اس کا تاریخی نام "مخزن الفصاحت" رکھا گیا۔

۱۔ کلیات کی ترتیب کے وقت ۱۳۰۷ھ میں یہ صاحب تحصیل دار تھے لیکن کلیات کی طباعت کی تکمیل کے وقت ۱۳۰۸ھ میں وہ ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے کیوں کہ کلیات کے خاتمے پر ان کا قطعۂ تاریخ موجود ہے جس کے عنوان میں انھیں ڈپٹی کلکٹر لکھا گیا ہے۔

۲- صفحہ ۴ سے دیوان شروع ہو جاتا ہے - پہلے غزلیات ہیں جو ردیف وار ہیں - ردیف 'ی' کا خاتمہ صفحہ ۷۷ پر ہوتا ہے -

۳- صفحہ ۷۷ سے ہی 'مخمسات و مسدسات' شروع ہو جاتے ہیں - پہلے مخمسات ہیں جو صفحہ ۸۶ پر ختم ہو جاتے ہیں - اسی صفحے سے مسدسات شروع ہو جاتے ہیں - صرف ۲ نعتیہ مسدس ہیں جو صفحہ ۹۰ پر ختم ہو جاتے ہیں -

۴- صفحہ ۹۰ سے ہی 'قصاید' شروع ہو جاتے ہیں -

(i) پہلے دو قصیدے نعتیہ ہیں -

(ii) تیسرا قصیدہ صفحہ ۹۳ پر ہے جس کا عنوان یہ ہے : ''درتہنیت جشن مسند نشینی نواب کلب علی خان بہادر والیٔ رام پور'' یہ قصیدہ صفحہ ۹۴ پر ختم ہو جاتا ہے - صفحہ ۹۵ پر چوتھا قصیدہ اس عنوان سے ہے : ''در شوق ملاقات نواب صاحب موصوف -'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رنج کو نواب کلب علی خان کی ذات کے ساتھ اختصاص تھا - پانچواں قصیدہ صفحہ ۹۶ پر ''تہنیت دربار یکم جنوری ۱۸۷۷ء'' ہے - چھٹا قصیدہ ''درتہنیت انعقاد مشاعرہ تہذیبی لاھور بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب'' ہے ، جو صفحہ ۹۷ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۹۹ پر ختم ہو جاتا ہے - یہ آخری قصیدہ ہے -

۵- صفحہ ۹۹ سے ''مثنوی ھجرت نبوی'' شروع ہو جاتی ہے - یہ ایک طویل مثنوی ہے جو صفحہ ۱۰۴ پر ختم ہوتی ہے - اس کلیات میں یہی ایک مثنوی ہے -

۶- صفحہ ۱۰۵ سے ''قطعات تاریخی'' شروع ہو جاتے ہیں جو صفحہ ۱۱۵ پر ختم ہوتے ہیں۔ کل ۲۳ قطعات ہیں جن کی کیفیت یہ ہے:

(i) ''قطعۂ تاریخ اختتام و انطباع کتاب 'گلشن نعت' تصنیف صاحب دیوان ھذا'' دو شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۷۶ھ نکلتا ہے۔

(ii) ''قطعۂ تاریخ تیاری مسجد لب آب چناب متصل قصبہ وزیر آباد پنجاب۔'' ۴ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۷۶ھ نکلتا ہے۔

(iii) ''قطعۂ تاریخ ولادت با سعادت برخوردار نور چشم محمد فخر الدین احمد طول عمرہ، فرزند صاحب دیوان ھذا'' ۹ شعر کا قطع ہے، سن ۱۲۷۶ھ نکلتا ہے۔

(iv) ''قطعۂ تاریخ دیوان ریختۂ اوستادی غالب سلمہ اللہ تعالیٰ۔'' ۴ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۷۷ھ نکلتا ہے۔

(v) ''قطعۂ تاریخ وفات حافظ آفتاب علی مرحوم۔'' ۸ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۷۷ھ نکلتا ہے۔

(vi) ''قطعۂ تاریخ وفات استادی حکیم سعادت خان صاحب مرحوم۔'' ۸ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۸۰ھ نکلتا ہے۔

(vii) ''قطعۂ تاریخ تالیف نسخہ 'معدن القصص' مؤلفہ جناب ماموں مولوی محمد نصیر اللہ صاحب قبلہ۔'' فارسی زبان میں ۶ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۸۱ھ نکلتا ہے۔

(viii) ''قطعۂ تاریخ ترتیب نسخۂ نوشدارو مؤلفہ محبی سید آقا حسین صاحب نامی والئی بلرام پور۔'' ۲ شعر کا فارسی قطعہ ہے، سن ۱۲۸۲ھ نکلتا ہے۔

(ix) '' قطعۂ تاریخ ولادت فرزند شفیقی محبی مرزا حاجی

محمد صاحب نائب ریاست جودھ پور سلمہ اللہ تعالیٰ۔''
۵ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۸۲ھ نکلتا ہے۔

(x) ''قطعۂ تاریخ انطباع نسخہ احکام نوشیروانی۔'' ۴ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۸۳ھ نکلتا ہے۔

(xi) ''قطعۂ تاریخ ولادت فرزند شیخ شہاب الدین نالاں متوطن سعد آباد ضلع متھرا۔'' ۲ شعر کا فارسی قطعہ ہے، سن ۱۲۹۱ھ نکلتا ہے۔

(xii) ''قطعۂ تاریخ ولادت برخوردار محمد جان طول عمرہ خلف منشی علی جان صاحب سر رشتہ دار نہر گنگ۔'' ۱۰ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۹۲ھ نکلتا ہے۔ اس کے بعد ۴ شعر کا ایک اور قطعہ ہے جس سے عیسوی سن ۱۸۷۵ نکالا ہے۔

(xiii) ''قطعۂ تاریخ ولادت فرزند منشی سید جمیل الدین صاحب هجر، مالک لارنس گزٹ میرٹھ۔'' ۴ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۹۲ھ نکالا ہے، اس کے بعد ۴ شعر کا ایک اور قطعہ ہے جس سے وہی ۱۲۹۲ھ نکلتے ہیں۔

(xiv) ''قطعۂ تاریخ وفات مرزا رحیم بیگ صاحب مرحوم نابینا رحیم تخلص، متوطن شہر میرٹھ۔'' ۸ شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۹۲ھ نکالا ہے۔

(xv) ''قطعۂ تاریخ وفات شیخ کریم الدین مرحوم تخلص اشک و دوست شاگرد عزیزم۔'' دو شعر کا قطعہ ہے، سن ۱۲۹۲ھ نکلتا ہے۔ اس کے بعد ۲ شعر کا ایک اور قطعہ ہے، اس سے بھی ۱۲۹۲ھ نکلتے ہیں۔

(xvi) ''قطعۂ تاریخ تولید نبیرۂ نواب محمد ہادی یار خان صاحب رئیس دادوں ضلع علی گڑھ۔'' ۵ شعر کا قطعہ ہے۔

سن ۱۲۹۳ھ نکلتا ہے -

(xvii) " قطعۂ تاریخ ولادت فرزند قاضی شفاعت احمد صاحب رئیس سردھنہ ضلع میرٹھ -" ۸ شعر کا قطعہ ہے - سن ۱۲۹۴ھ نکلتا ہے -

(xviii) " قطعۂ تاریخ انطباع نسخۂ 'رموز عاشقان' مصنفہ مشفقی محمد وزیر خان صاحب انسپکٹر پولیس میرٹھ سلمہ اللہ تعالیٰ -" ۴ شعر کا قطعہ ہے - سن ۱۳۰۲ھ نکلا ہے -

(xix) " قطعۂ تاریخ ولادت فرزند ارجمند مہاراجہ تخت سنگھ بہادر ، والیٔ جودھپور -" ۶ شعر کا فارسی قطعہ ہے - سن عیسوی ۱۸۶۶ برآمد ہوتا ہے -

(xx) " قطعۂ تاریخ فتح قلعہ پانچوٹہ ضلع جودھپور بہ سرکردگی مرزا حاجی محمد خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ -" ۵ شعر کا فارسی قطعہ ہے جس سے سن عیسوی ۱۸۶۷ نکلتا ہے -

(xxi) " قطعۂ تاریخ تہنیت ترقی اسمٹ صاحب بہادر مہتمم بندوبست ضلع علی گڑھ -" ۴ شعر کا قطعہ ہے - سن ۱۸۶۹ عیسوی نکلا ہے -

(xxii) " قطعۂ تاریخ انطباعِ دیوان دوہمی مسٹر جارج پیش صاحب شور -" ۴ شعر کا قطعہ ہے ، سن عیسوی ۱۸۷۷ برآمد ہوتا ہے -

(xxiii) " قطعۂ تاریخ شادی کتخدائی محبّی مسٹر ایڈورڈ جونس صاحب رئیس و انسپکٹر پولیس میرٹھ سلمہ اللہ تعالیٰ -" ۱۵ شعر کا قطعہ ہے -

یہ آخری قطعہ تھا - یہاں پہنچ کر قطعات کے ساتھ ہی رنج کا

کلام ختم ہو جاتا ہے۔

۶۔ صفحہ ۱۱۵ پر ہی 'تمت' کے بعد "تقریظات و قطعات تاریخِ طبع دیوان" ہیں۔

(i) پہلی تقریظ اردو نثر میں مسٹر جارج پیش صاحب شور رئیس میرٹھ و تعلقہ دار ہرچند پور کی ہے جو صفحہ ۱۱۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۱۶ پر ختم ہوتی ہے۔ خاتمے پر 'قطعۂ تاریخ طبع دیوان' ہے جس سے سن ۱۸۹۱ عیسوی برآمد ہوتا ہے۔

(ii) دوسری تقریظ منشی تفضل حسین صاحب ذکا رئیس گڑھ مکتیشر ضلع میرٹھ کی ہے۔ یہ تقریظ اردو نثر میں ہے۔ درمیان میں ایک فارسی نظم بھی آجاتی ہے۔ خاتمے پر 'قطعۂ تاریخ انطباع' ہے جس سے سن ۱۳۰۸ھ نکلتا ہے۔ یہ تقریظ صفحہ ۱۱۶ سے صفحہ ۱۱۹ تک ہے۔

(iii) تیسری تقریظ محمد وزیر خان صاحب پنشنر انسپکٹر متخلص بہ وزیر کی ہے۔ یہ تقریظ بھی اردو نثر میں ہے۔ اس تقریظ کے خاتمے پر بھی 'قطعۂ تاریخ انطباع' ہے جس سے سن ۱۳۰۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ تقریظ صفحہ ۱۲۰ پر ختم ہو جاتی ہے۔

ان تین تقریظوں کے بعد قطعاتِ تاریخِ انطباعِ دیوان شروع ہوجاتے ہیں:

(i) "قطعۂ تاریخ انطباع از کمترین فخرالدین احمد ابن حضرت مصنف دیوان ھذا۔" ۷ شعر کا اردو قطعہ ہے، سن ۱۸۹۱ عیسوی نکلتا ہے۔

(ii) انھیں کا دوسرا قطعہ فارسی زبان میں ہے۔ اس کے

صرف دو شعر ہیں اور سن ۱۳۰۸ھ برآمد ہوتا ہے۔

(iii) ”قطعۂ تاریخ از نتائج طبع رنگین منشی محمد وحید الدین صاحب رئیس سکندر آباد ضلع بلند شہر برادر کہین حضرت مصنف مرحوم۔“ دو شعر کا آردو قطعہ ہے۔ سن ۱۳۰۸ھ نکلتا ہے۔

(iv) ”قطعۂ تاریخ از نتائج طبع گرامی منشی حکیم الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ضلع متھرا رئیس قصبہ رٹول ضلع میرٹھ۔“ دو شعر کا اردو قطعہ ہے۔ سن ہجری ۱۳۰۸ھ برآمد ہوتا ہے۔

(v) ”از نتائج طبع رسا منشی سید محمد عبد الوحید صاحب[1] رئیس لونی ضلع میرٹھ۔“ دو شعر کا آردو قطعہ ہے۔ سن ہجری ۱۳۰۸ھ نکالا ہے۔

(vi) ”از فکر رسا طبع سلیم منشی محمد عبد الحکیم صاحب تخلص محشر، ارشد تلامذہ سید بیان صاحب۔“ و شعر کا آردو قطعہ ہے۔ سن ۱۳۰۸ھ برآمد ہوتا ہے۔

(vii) انہیں کا دوسرا قطعہ ہے۔ اس کے ۵ شعر ہیں۔ سن عیسوی ۱۸۹۱ نکالا ہے۔

(viii) ”از فکر سلیم و ذہن متین منشی حکیم الدین صاحب تخلص حکیم گرداور قانونگوئی میرٹھ، رئیس بلند شہر شاگرد نواب مرزا صاحب داغ دھلوی۔“ دو شعر کا فارسی قطعہ ہے۔ سن ۱۸۹۱ عیسوی برآمد ہوتا ہے۔

(ix) ”از نتائج طبع متین منشی شرف الدین صاحب شرف تخلص، نقل نویس منصفی غازی آباد ضلع میرٹھ۔“ تین

۱۔ یہ بزرگ مخدومی جناب منظور الحسن صاحب قادری ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر جنرل پوسٹ آفس کوئٹہ کے والد ماجد ہیں۔

شعر کا اردو قطعہ ہے جس سے سن ۱۳۰۸ھ نکلتا ہے۔

(x) ''از فکر محمد افضل خاں صاحب افضل متوطن میرٹھ شاگرد سید بیان صاحب یزدانی۔'' ۹ شعر کا اردو قطعہ ہے۔ سن ۱۸۹۱ عیسوی برآمد ہوتا ہے۔

(xi) ''از نتیجۂ فکر منشی محمد میر خاں صاحب تخلص ابر نائب مدرس تحصیل اسکول میرٹھ۔'' دو شعر کا قطعہ ہے۔ سن ۱۸۹۱ عیسوی نکالا ہے۔

(xii) انھیں کا دوسرا قطعہ ہے جس کے تین شعر ہیں۔ اس سے بکرمی سن ۱۹۴۸ نکلتا ہے۔

(xiii) ''قطعۂ تاریخ طبع دیوان ھذا از نتائج طبع رسا حافظ وجیہ الدین صاحب تخلص عرشی متوطن میرٹھ۔'' ۴ شعر کا قطعہ ہے۔ سن ۱۳۰۸ھ نکلتا ہے۔

(xiv) '' قطعۂ تاریخ ترتیب ھذا، از نتیجۂ طبع گرامی جناب منشی نثار علی صاحب شہرت سابق ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ریاست جموں و کشمیر۔'' ۷ شعر کا قطعہ ہے۔ سن ۱۳۰۷ھ نکالا ہے۔

(xv) ''قطعۂ تاریخ از جناب منشی حسین علی صاحب فرحت دھلوی۔'' ۴ شعر کا قطعہ ہے۔ سن ۱۸۹۱ نکلتا ہے۔

(xvi) '' از نتیجۂ فکر منشی محمد محبوب علی صاحب متخلص بہ جودت، خلف الرشید منشی حسین علی صاحب فرحت دھلوی۔'' تین شعر کا فارسی قطعہ ہے۔ سن ۱۸۹۱ء نکالا ہے۔

یہ سولھواں قطعۂ تاریخ صفحہ ۱۲۵ پر ہے۔ اس کے بعد

اردو نثر میں ایک ''تقریظ ریختہ کلک جواہر سلک حافظ امداد حسین صاحب ظہور و عرفانی رئیس میرٹھ۔'' ہے۔ یہ تقریظ صفحہ ۱۲۶ پر ختم ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۱۲۶ کے خاتمے پر تاریخ ''از نتیجۂ فکر مفتی محمد قاسم صاحب رئیس میرٹھ۔'' ہے، جس سے سن ۱۳۰۹ھ نکلتا ہے۔

۸۔ صفحہ ۱۲۷ پر ''خاتمۃالطبع'' ہے۔ اسی صفحہ پر ''غلط نامہ'' ہے جو صفحہ ۱۲۸ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

یہ ہے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل 'کلیات رنج' کی کیفیت۔

اس کلیات کے تاریخی نام 'مخزن الفصاحت' سے ظاہر ہے کہ یہ ۱۳۰۷ ہجری میں مرتب ہوگیا تھا لیکن اس کی طباعت ۱۳۰۸ ہجری (۱۸۹۱ عیسوی) میں ہوئی اور ۱۳۰۹ ہجری کے آغاز میں یہ پریس سے باہر نکلا۔ بہر حال ۱۸۹۱ عیسوی کے اختتام پر یا ۱۸۹۲ عیسوی کے آغاز میں کلیات رنج شائع ہو چکا تھا۔ اسی زمانے میں لالہ سری رام دہلوی نے اپنے تذکرے 'خمخانۂ جاوید' کے لیے مواد فراہم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس تذکرے کی تیسری جلد میں 'رنج' کا ذکر کیا ہے دو سطریں احوال میں اور ایک شعر انتخاب' میں دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''رنج: حکیم فصیح الدین شاگرد مرزا غالب۔ قاضی خلیل کی بیاض میں ایک شعر قابل انتخاب نظر آیا، درج ہوا۔ میرٹھ میں ان کی شاعری کا اچھا چرچا تھا مگر کلام باوجود تلاش نہ ملا ؎

اک بار اور میری عیادت کو آئیے
اچھی طرح سے میں ابھی اچھا نہیں ہوا

۱۔ سخن شعراء، مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں بھی تین شعر تو موجود تھے، لیکن لالہ جی نے صرف ایک شعر کا انتخاب کیا ہے۔

('خمخانۂ جاوید' جلد سوم مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دھلی ۱۹۱۷ء، ص ۵۰۷)

لالہ صاحب کی تلاش کا یہ عالم ہے - وہ خود دلی میں تھے اور اس زمانے کا میرٹھ کا مطبوعہ کلیات رنج انھیں ھاتھ نہ آیا - کلام کا انتخاب تو وہ اس لیے نہیں کر سکے لیکن حالات کے لیے انھوں نے کوئی عذر پیش نہیں کیا - حالاں کہ دھلی اور میرٹھ میں چالیس میل کا فاصلہ ہے اور رنج میرٹھ کے سربرآوردہ لوگوں میں تھے - اسی زمانے میں ان کا انتقال ھوا تھا - انھیں دیکھنے والے لوگ میرٹھ میں موجود تھے - پھر غالب کے شاگرد ھونے کی وجہ سے دلی کے لوگ بھی رنج سے نا واقف نہیں تھے -

حکیم فصیح الدین رنج و طبیب میرٹھی اگرچہ مرزا غالب کے شاگرد تھے لیکن ان کے کلیات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان پر غالب کے مقابلے میں دوسرے معاصرین کا رنگ زیادہ گہرا چڑھ گیا تھا - رنج کے معاصرین میں مولانا حالی، داغ اور امیر وغیرہ ھیں - اگرچہ ان کے کلام میں مومن اور غالب کے انداز پر بھی اشعار نظر آتے ھیں لیکن داغ سے وہ بہت زیادہ متاثر معلوم ھوتے ھیں -

رنج کا مقام بحیثیت شاعر کوئی بہت بلند نہیں ہے، اسی لیے بحیثیت شاعر انھوں نے کچھ زیادہ شہرت بھی نہیں پائی - رنج کا انتقال ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں ھوا - ان کے انتقال کے صرف ۵ سال بعد ۱۳۰۷ھ میں ان کے کلام کا مجموعہ 'مخزن الفصاحت' ترتیب دے دیا گیا - ان کے کلام کے مرتب بھی ان کے صاحب زادے حکیم محمد فخر الدین صاحب تھے جو خود بھی ذی علم تھے اور شعر سے دل چسپی بھی رکھتے تھے - اسی لیے ان کی دسترس میں جو کچھ کلام تھا انھوں نے اسے ضائع نہیں ھونے دیا - اس طرح سے رنج کا کلیات مرتب ھوا - اگر اسے رنج کی تمام زندگی کا سرمایہ سمجھا

جائے تو بہت مایوسی ہوتی ہے ۔ کل ۱۱۲ صفحات کا دیوان ہے اور ہر صفحے میں اوسطاً ۱۸ شعر ہیں ۔ یہ ہے رنج کی تمام زندگی کی شاعری ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رنج نے دوسرے معاصر شعراء کی طرح شعرگوئی اختیار نہیں کی تھی بلکہ تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مجموعۂ کلام اس قدر مختصر ہے ۔ بہر حال اس مجموعے میں جن چند شعرائے گرامی کے رنگ جھلکتے ہیں اُن کی کیفیت واضح کر رہا ہوں ۔ انتخاب اشعار کی طوالت کے لیے عذر خواہ ہوں کیوں کہ کلیات رنج بھی آج اسی قدر نایاب ہے جتنا تذکرہ 'بہارستان ناز' ۔ اس لیے اس انتخاب کو بھی تبرک سمجھنا چاہیے۔ معلوم نہیں کہ کلیات رنج کبھی دوبارہ چھپے گا بھی یا نہیں ۔

کلام رنج برنگ غالب :

وائے[1] قسمت وہ بھی ان کے عاشقوں میں ہو گیا
جو مری قسمت سے میرا نامہ بر پیدا ہوا

کس کو اٹھاؤں اور نہ کس کو اٹھاؤں میں
پردے ہزار ہا ہیں تمہارے حجاب میں
لاکھوں[2] بناؤ ایک تغافل میں آپ کے
لاکھوں بگاڑ ایک مرے اضطراب میں

---

۱ ۔ تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے
(غالب)

۲ ۔ لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
(غالب)

معلوم نہیں ہے کہ میں آیا ہوں کہاں سے
جاؤں گا کہاں ، آیا تھا کیوں ، کون ہوں ، کیا ہوں

مجھ سے گر پوچھتے ہو ، کچھ نہیں میں
یہی میرا نشاں ہے ، اور میں ہوں

تمھیں[1] نے حال سے بے حال کر دیا ہم کو
تمھیں نہ حال ہمارا سنو تو کیوں کر ہو

بارش گریہ ہے یاں عزم خطا سے پہلے
مینہ برستا ہے مرے گھر میں گھٹا سے پہلے

ایسی[2] مجھ جزو کو اس کُل سے ہے نسبت ، جیسے
قطرہ دریا سے ہوا اور قطرے سے دریا نکلے

دل[3] سے جائے گا نہ اس جنبش ابرو کا خیال
کیا کبھی گوشت بھی ناخن سے جدا ہوتا ہے

---

۱ - ہمیں پھر ان سے امید اور انھیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو
(غالب)

۲ - دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
(غالب)

۳ - دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
(غالب)

فرقت زدہ[1] کھلے ہوئے رہتے ہیں رات دن
آنکھوں کی شکل روزنِ دیوار ہو گئے

کلامِ رنج برنگِ مومن :

عشق میں ہم نے کیا اپنوں کو غیر
تم نے کیوں کر غیر کو اپنا کیا
شب کسو مژگاں کا اشارہ غیر سے
دل میں کانٹا سا مرے کھٹکا کیا
کیوں چھوا دامن کہ وہ چھپنے لگے
تو نے اے دستِ تمنا کیا کیا
دے دیا دل پھر اسی بے درد کو
کیا کیا اے رنج تم نے کیا کیا

رنجیدہ ہیں کیوں وصل کے انکار سے اغیار
وہ آج مرے سر کی قسم کھائے ہوئے ہیں

بالائے بام آئے وہ عہدِ شباب میں
لو اور احتراق ہوا آفتاب میں

مرے گھر سے عدو کے گھر گئے ہو ، میں نہ مانوں گا
تمہارے نقشِ پا میں آج شوخی پائی جاتی ہے

سلایا غیر سے اس کو وفورِ پاسبانی نے
ہمارا عشق گویا خوبیٔ تقدیرِ دشمن تھا

۱- قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں
(غالب)

کلامِ رنج برنگِ حالی :

کھل جائے گا حالِ دلِ افگار ہمارا
پڑھتے ہیں وہ گلدستۂ اشعار ہمارا

آج تشریف کیوں نہ لائے آپ
کیوں کرم میرے حال پر نہ ہوا

اچھا جانا تھا تمھیں ، میں نے برائی یہ کی
میں برا جانتا گر تم کو تو بہتر ہوتا

سخت جانی نے مری تکلیف دی
شکوۂ بے رحمئی بے داد کیا

دیکھتے ہیں اب تو شرمائی ہوئی آنکھوں سے وہ
چاہنے کا میرے لو دیکھو اثر پیدا ہوا

اُن کی دعا کہ مدت ہجراں بسر نہ ہو
میری دعا کہ اُن کی دعا کا اثر نہ ہو

ہاں قافلے والو کوئی درماندہ نہیں ہم
پہلے ہی پہنچ جائیں گے آوازِ درا سے

کلامِ رنج برنگِ داغ :

رہی تا صبح یاں ضد اور وہاں انکار کیا کیا کچھ
ہمیں تو وصل کی شب بھی گمانِ روزِ ہجراں تھا

مری[۱] وحشت سے طے ہوتی نہ تھی منزل محبت کی
کہ میں تھا پیچھے پیچھے اور مرے آگے بیاباں تھا

نہ نکلی[۲] آنکھ سے تیری نگہ اور دم مرا نکلا
وہ میرے جی کی حسرت تھی یہ تیرے دل کا ارماں تھا

پس مردن مجھے پیش عدو یوں یاد فرمایا
سنا ہے شاعروں میں رنج بھی اچھا سخن داں تھا

منتوں سے بھی نہیں ہوتا ہے راضی کیا کروں
ہے وہ شرم پاک دامانی کا سمجھایا ہوا

تمہیں[۳] اک بوسۂ عارض کے دینے میں یہ حجت ہے
میں جاں دیتا ہوں تم پر دیکھیے دل تو ذرا میرا

۱- سید محمد مرتضیٰ بیان و یزدانی بھی اس عہد کے ممتاز شاعر تھے - رنج کے ہم وطن بھی تھے - بیان نے بھی اس زمین میں غزل کہی ہے جس کا مطلع یہ ہے:

سر شوریدہ ہائے دشت پیما شام ہجراں تھا
کبھی گھر تھا بیاباں میں، کبھی گھر میں بیاباں تھا

۲- بیان یزدانی نے کہا ہے:

نہ کھولی آنکھ وقت نزع بیمار محبت نے
کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا
پس مردن قیامت تک رہی اک ٹیس سی دل میں
وہ کہتے ہیں کہ پیکاں تھا میں کہتا ہوں کہ ارماں تھا

۳- رنج کا ہی اسی مضمون کا دوسرا شعر یہ ہے:

بوسہ دینے میں تمہیں عذر ہے اللہ اللہ!
جان ہم دیتے ہیں تم دل تو ہمارا دیکھو

مجھ سے کہتے ہو کہ جا ، جاتا ہوں
پھر اکیلے بھی تو گھبرائیے گا

سب یاد ہیں مجھے تری بے التفاتیاں
وہ دل ، وہ آرزو ، وہ تمنا کہاں ہے اب

دونوں کو لطفِ وصل نہ آیا تمام رات
حائل رہا حجاب کا پردہ تمام رات

خلوت بھی ہے ، وہ شوخ بھی بے پردہ ہے مگر
دل میں جو ہے وہ کہہ نہیں سکتے حیا سے ہم

کیا شان ہے کہ چھیڑتے ہیں بے حجاب وہ
بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے کس حیا سے ہم

جن[1] و بشر ملک انھیں کون و مکاں کے ہیں
دیکھیں تمھارے جلوے وہ ایسے کہاں کے ہیں

آج ان کو دلِ بیتاب نہ چھوڑوں گا میں
وہ ہمیشہ مرے قابو سے نکل جاتے ہیں

گو نہ آنا ، مرے دل کو تو قرار آ جائے
مجھ سے اقرار تو کر جاؤ کہ ہم آتے ہیں

۱- جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
وہ مجھ سے چھپ کے جائیں گے ایسے کہاں کے ہیں (داغ)

آئے بھی تو کس شکل سے وہ آئے ہوئے ہیں
مضطر ہیں، پریشان ہیں، گھبرائے ہوئے ہیں

ضبط اے دلِ مضطر وہ ابھی آئے ہوئے ہیں
پہلی ہی شبِ وصل ہے شرمائے ہوئے ہیں

بہار' آئی ہے پھر وحشت کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
بڑھیں کیوں ہاتھ خود ٹکڑے گریباں ہوتے جاتے ہیں

اک بار اور میری عیادت کو آئیے
اچھی طرح سے میں ابھی اچھا نہیں ہوا

دیتے نہیں جو بوسہ تو کہہ دو کہیں "نہیں"
اچھی نہیں یہ روز کی "ہاں ہاں" "نہیں نہیں"

تم اٹھ کے میرے پہلو سے جاتے ہو، خیر جاؤ
تسکین تو دیتے جاؤ دلِ بے قرار کو

پھر چین آج کیوں کسی پہلو نہیں مجھے
شاید نگاہِ ناز کو دل ڈھونڈتا نہ ہو

کل تمھیں کہتے تھے "ہم شکل نہ دیکھیں گے تری"
آج پھر میری طرف آپ نے دیکھا، دیکھو

۱۔ پھر بہار آئی چمن میں زخمِ دل آلے ہوئے
پھر مرے داغِ جگر آتش کے پرکالے ہوئے

صلح کرنے میں مجھے ان سے نہیں عذر مگر
وہ کہیں گے کہ ”نہ جی اور سے بھلا ، دیکھو“
ہم جو کہتے تھے کہ ”ہم سا نہ ملے گا“ آخر
دل تمہارا نہ کسی اور سے بہلا ، دیکھو
نہ ملوں گا جو یہی حال ہے پھر ہم نفسو !
اب کے پھر بارِ جفا کر کو سمجھا دیکھو
بوسہ[1] دینے میں تمہیں عذر ہے اللہ ، اللہ !
جان ہم دیتے ہیں تم دل تو ہمارا دیکھو
جذبِ دل کا مرے اب مجھ سے نہ کرنا شکوہ
پھر تصور نے تمہارے مجھے چھیڑا ، دیکھو
دل کو بے چین کیے دیتی ہے حسرت کی نظر
سرکا جاتا ہے وہ سینے سے دوپٹا ، دیکھو

لڑوں صر صر سے روکوں باغباں کو
میں کس کس سے بچاؤں آشیاں کو
ذرا بیٹھو ، مری اک بات سن لو
ابھی سے اٹھ کے جاتے ہو کہاں کو
تم اور نازِ گراں بارِ محبت
اٹھاؤ دیکھ کر بارِ گراں کو

لپٹ جائیں وہ مجھ سے بے محابا خود بخود آ کر
الٰہی ان کو کچھ ایسا محبت کا تقاضا ہو

---

۱ - اسی مضمون کو رنج ایک دوسری جگہ اس طرح باندھتے ہیں :
تمہیں اک بوسۂ عارض کے دینے میں یہ حجت ہے
میں جاں دیتا ہوں تم پر دیکھیے دل تو ذرا میرا

وصل کی شب ناز سے وہ ان کا کہنا بار بار
اپنی کروٹ سوئیے اب ہم کو خواب آنے کو ہے

کب کیا کرتے تھے اس طرح سے پامال مجھے
کب چلا کرتے تھے تم ایسی ادا سے پہلے
پاؤں پھیلاتے تھے کس روز شبِ وصل میں یوں
تم تو سہمے ہوئے رہتے تھے حیا سے پہلے

الٰہی وصل کی شب کیا یونہی ہاتھوں سے جائے گی
گرہ پھر بند میں پڑتی ہے ، پھر کھلوائی جاتی ہے
وہ جورِ بے سبب سے ، رنج دیکھا ، کیسے نادم ہیں
نگہ پلکوں تلک آتی ہوئی شرمائی جاتی ہے

عطر بستر پہ ملوں ، پھول چنوں تکیوں پر
شبِ وعدہ ہے خدا جانے وہ کب آ نکلے

مضمونِ بے حجابیٔ وصلت لکھوں گا آج
فکرِ سخن کو چاہیے تنہا مکاں مجھے

یاں رعب ، وہاں شرم و حیا مانعِ اظہار
کس طرح سے یا رب ! مری امید بر آئے
قاصد گیا ہر طرح سے تسکیں ہوئی لیکن
اب دل کو یہ دھڑکا ہے کہ کیسی خبر آئے

ہاتھ گردن میں ہیں، لب لب پہ، زباں دانتوں میں
آپ کیوں کر مرے قابو سے نکل جائیں گے

وہ ہاتھ کھینچتے رہے ضد سے بہت مگر
پھیلے جو میرے پاؤں تو ناچار ہو گئے

وہ کھلنے کو ہے آنکھ سونے سے دیکھو
درِ مےکدہ وا ہوا چاہتا ہے

لگائے رنج کو رکھیے گا اپنے پہلو سے
کہ آشنا بھی ہے، شاعر بھی ہے، طبیب بھی ہے

ہم عشق میں بدنام ہیں تم حسن میں رسوا
عزت نہ تمھاری ہے، نہ توقیر ہماری

حکیم فصیح الدین مصنف 'بہارستان ناز' اپنے تخلص رنج کے اعتبار سے مشہور ہیں لیکن وہ رنج کے علاوہ اپنے پیشے کی مناسبت سے طبیب بھی تخلص کرتے تھے۔[1] کلیات رنج کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان کی بیش تر غزلیں رنج تخلص کے ساتھ ہیں۔ مجھے ان کے پورے کلیات میں کل ۳۰ مقطعے ایسے نظر آئے جن میں طبیب تخلص ہے۔ ان میں سے چند مقطعے یہ ہیں:

۱۔ اس زمانے کے متعدد شعراء کے دو تخلص بھی پائے جاتے ہیں۔ حکیم فصیح الدین کے معاصرین میں ہی، بلکہ ان کے ہم وطنوں کے دو دو تخلص تھے۔ مثلاً سید احمد حسن فرقانی و شاکی، سید محمد مرتضیٰ بیان و یزدانی، حافظ امداد حسین ظہور و عرفانی، نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی وغیرہم۔

طبیبِ ناتواں ہوں اور مریضِ نیم جاں ہوں میں
فرو کر نسخۂ رحمت سے دردِ لا دوا میرا

حیف رنج طبیب سے اپنا
چارۂ سوزشِ جگر نہ ہوا

ہیں اسی نرگسِ بیمار کے بیمار طبیب
ہم ہوئے ، تم ہوئے ، وامق ہوا ، رنجور ہوا

صحت تو اے طبیب اسی درد کا ہے نام
اچھا ہو میرے دل کی اگر کچھ دوا نہ ہو

چھٹ گئیں نبضیں تو پھر کیا پوچھتا ہے اے طبیب
انتشارِ روح سے باقی نفس میں شور ہے

سببِ تالیفِ 'بہارستانِ ناز'

بہارستان ناز کے دیباچے میں خود حکیم محمد فصیح الدین رنج اپنی پراگندگیٔ خاطر ، عسیرالحالی اور ناسا‌عدت بخت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"اس اضطرار و انتشار میں شوق تالیف و تصنیف دامن گیرِ حال ہوا ؛ فکر اور بڑھی ، تفکر کو دونا کہاں ہوا ، تذکرۂ شعراء کی طرف طبیعت مائل ہوئی ، اس سے فی الجملہ دل لگی حاصل ہوئی ۔ مگر طرزِ جدید کا دل خواستگار ہوا ، 'کل جدید لذیذ' پر دار و مدار ہوا ۔ آٹھ پہر تذکروں ہی پر نظر رہی"۔

اس زمانے میں مخفی کا کلام رنج کی نظر سے گزرا۔ اسے دیکھ کر رنج نے شاعرات کے کلام کی جانب توجہ کی اور اس سلسلے میں مختلف تذکرے اور کتابیں مطالعہ کیں۔ چوں کہ شاعرات کا کوئی تذکرہ رنج کو نہیں ملا اس لیے انھیں خیال پیدا ہوا کہ شاعرات کا تذکرہ ترتیب دینا چاہیے۔

"بعض احباے صادق الوداد نے اس تالیف میں حد سے زیادہ اصرار کیا۔ ہر دم اسی بات کا مذکور رہا، ہر صحبت میں یہی دستور رہا۔ جب دو چار آشنا ایک جا ہوتے، خود اشعار پڑھتے، مجھ سے لکھواتے۔ جب دوستوں کا اصرار حد سے زیادہ ہوا، چار ناچار عاجز اس امر پر آمادہ ہوا؛ جہاں تک ہو سکا، جستجو میں اہتمام کیا، بہت تلاش سے مستورات کا پیدا کلام کیا۔ بعض کا کلام کتبِ قدیم میں پایا، اکثر بذریعہ احباب و ارباب کے ہاتھ آیا۔ جب اس طرف سے فرصت پائی، بقیدِ حروفِ تہجی ہر شاعرہ کی فہرست بنائی۔ ترتیب و تالیف کا بہ خوبی انجام ہوا، 'بہارستان ناز' اس تذکرے کا نام ہوا۔"

مؤلف کا مقصد 'بہارستان ناز' کی تالیف سے اشاعتِ علم و ہنر تھا جس کا اظہار دیباچے میں اس طرح کیا ہے:

"اب علتِ غائی اس تالیف کا عرض کرنا بھی ضرور ہے؛ کس واسطے کہ اس محنت شاقہ سے کچھ اپنی نام وری نہیں منظور ہے بلکہ مقصودِ دلی شیوعِ مفادِ علم و ہنر ہے ورنہ شعر و سخن میں ایک سے ایک تذکرہ بڑھ کر ہے۔"

حکیم فصیح الدین رنج عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص طور سے مائل تھے۔ چناں چہ حکیم صاحب کا ارادہ مستورات کے احوال میں ایک مفصل کتاب کے لکھنے کا تھا لیکن شاید ان کی

عمر نے وفا نہ کی یا انھیں اس کی فرصت ہی نہ ملی ۔ بہرحال یہ تذکرہ اس مفصل کتاب کی تمہید کے طور پر لکھا تھا ؛ چناں چہ موصوف دیباچے کے اختتام پر رقم طراز ہیں :

” انشاء اللہ بشرطِ فرصت بعد اس کے ایک کتاب طویل احوالِ مستورات میں لکھنے کا ارادہ ہے کیوں کہ یہ تذکرہ تو فقط مذاقاً لکھا ہے ، مگر اب تحریر اوصاف کمال اس فرقے پر دل زیادہ آمادہ ہے ۔ اگر گردشِ چرخ نے کوئی دم مہلت دی تو بہت جلد پیش کشِ بزمِ ارباب ہوگا ۔۔۔۔ میں نے صرف احباب کی خورسی اور حکام کی اطاعت سے اس بزم کو آراستہ کر دیا ہے ۔“

حکیم صاحب کو صنف نازک سے فطری لگاؤ کچھ زیادہ ہی تھا ۔ چناں چہ تذکرے کے مطالب سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے ، جہاں انھوں نے اپنی اس دل چسپی کا اظہار جا بجا کیا ہے ۔ مطب میں بیٹھ کر بھی حکیم صاحب نے خواتین کی طرف زیادہ توجہ مبذول فرمائی اور نسوانی امراض کے علاج میں یدِ طولیٰ حاصل کیا ، اس لیے طبقۂ نسواں پر حکیم صاحب مرحوم کا یہ ایک احسان ہے ۔

زمانۂ تالیفِ ’بہارستانِ ناز‘

حکیم صاحب نے دیباچے میں واضح طور پر تو سن تالیف کا اظہار نہیں کیا ہے ، البتہ اس کی طبع اول کے متعلق لکھتے ہیں :

” بہارستان ناز اس تذکرے کا نام ہوا ۔ جب اس کو مطبوعِ طبعِ احباب پایا ، ۱۸۶۳ء میں مطبع دارالعلوم میرٹھ

میں چھپوایا ۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں یا اس سے کچھ قبل یہ تذکرہ ترتیب دیا گیا ہے ۔ آخر میں حکیم مولا بخش قلق میرٹھی کی تقریظ ہے اور قطعات تاریخ ہیں ۔ ان قطعات سے سن ۱۲۸۱ھ برآمد ہوتا ہے، اس لیے اس کی تالیف کا زمانہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء ہی سمجھنا چاہیے ۔

ترتیبِ 'بہارستانِ ناز'

'بہارستان ناز' مؤلف کی زندگی میں تین بار شائع ہوا ۔ اس کے بعد اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی ۔ آخری اشاعت ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں ہوئی ۔ آخری اشاعت کی ترتیب بھی مؤلف کے قلم سے نکلی تھی اس لیے اسے ہی آخری مرتبہ شکل سمجھنا چاہیے ۔ چناں چہ اس کی کیفیت یہ ہے : شروع میں ۱۴ صفحات کا ایک دیباچہ ہے جس میں حمد باری تعالیٰ ، نعت رسول مقبول ، سبب تالیف اول ، وجہ نظر ثانی ، حکام کی مہربانی ، باعث انطباع مرتبۂ ثالث ، عنوانات ہیں ۔ صفحہ ۱۵ و ۱۶ پر ان شاعرات کے نام ہیں جو اس تذکرے میں شامل ہیں ۔ صفحہ ۱۷ سے تذکرے کا متن شروع ہوتا ہے ، بقیدِ حروفِ تہجی شاعرات کا ذکر آتا ہے ۔ حرف الالف کی پہلی شاعرہ 'اختر' ہے ، حرف الیاء کی آخری شاعرہ 'یاسمین' کا تذکرہ صفحہ ۱۰۷ پر ہے ۔ اس کے ساتھ تذکرے کا متن ختم ہو جاتا ہے ۔ صفحہ ۱۰۸ سے صفحہ ۱۱۳ تک تقاریظ و قطعاتِ تاریخِ انطباعِ کتاب ہیں ۔ صفحہ ۱۱۳ کے خاتمے سے 'خاتمۃ الطبع' شروع ہوتا ہے جو صفحہ ۱۱۴ پر ختم ہوتا ۔ اس کے ساتھ ہی کتاب ختم ہو جاتی ہے ۔

طباعت و اشاعتِ 'بہارستانِ ناز'

طبع اول | 'بہارستان ناز' پہلی مرتبہ مطبع دارالعلوم میرٹھ میں باہتمام محمد وجاہت علی خاں ۱۸۶۴ء مطابق ۱۲۸۱ھ میں چھپا۔ یہ نسخہ اغلاط سے پُر تھا۔ چناں چہ طبع ثانی کے وقت مؤلف نے خود لکھا:

"۱۸۶۴ء میں مطبع دار العلوم میں چھپوایا؛ غرض کہ مطبوع و مشہور ہوا، تذکرے کا تذکرہ دور دور ہوا۔ اکثر دوستوں نے اپنی قدر دانی سے قطعاتِ تاریخ تحریر فرمائے، خاتمے پر حیطۂ تحریر میں آئے مگر بہ سبب قلتِ فرصت و عجلتِ تالیف کے نوبتِ نظر ثانی نہ آئی، اکثر جگہ طبع اول میں غلطی نظر آئی۔ جا بجا کاتب مطبع کی تحریف ہوئی، کہیں کہیں سہوِ ترتیب و تالیف ہوئی۔" (دیباچۂ بہارستان ناز، طبع دوم، صفحہ ۵)۔ طبع اول کے متعلق یہ مؤلف کا اپنا بیان ہے۔

طبع دوم | 'بہارستان ناز' طبع اول چوں کہ اغلاط سے پُر تھا اور مختصر بھی زیادہ تھا، دوستوں اور حکام کے کہنے سے حکیم فصیح الدین رنج نے اس پر نظر ثانی کی۔ اس نظر ثانی کے محرک خاص طور پر مسٹر جارج ارنسٹ وارڈ جنٹ مجسٹریٹ میرٹھ اور مسٹر اسمٹ مہتمم بندوبست علی گڑھ تھے۔ انھی دونوں حضرات نے طبع دوم کے مصارف برداشت کیے۔

'بہارستان ناز' دوسری مرتبہ بھی مطبع دارالعلوم میرٹھ میں ہی بہ اہتمام محمد وجاہت علی خاں اپریل ۱۸۶۹ء مطابق محرم ۱۲۸۶ھ میں چھپا۔ صفحات کی تعداد ۷۶ ہے اور قیمت فی جلد ۸ آنے تھی۔ ابتدائی ۴ صفحات پر دیباچہ از مؤلف ہے، صفحہ ۱۵ پر فہرست

شاعرات مندرجہ تذکرہ ہے جو صفحہ ۶۱ کے نصف پر ختم ہو جاتی ہے ۔ صفحہ ۶۱ کے نصف سے ہی تذکرہ شروع ہو جاتا ہے ۔

باب الالف کی 'اختر' کا حال پہلے لکھا جاتا ہے ، آخر میں باب الیاء کی 'یاس' کا ذکر ہے جو صفحہ ۷۰ پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے آخری شعر :

راگ روپی کی صدا جو تال ہے بے تال ہے
مے میں تجھ بن اے صنم سم کا اثر ہونے لگا

کے ساتھ ہی تذکرہ ختم ہو جاتا ہے ۔ صفحہ ۷۱ پر " تقریظ از نتائج طبع عالی حکیم مولا بخش صاحب قلق سلمہ اللہ تعالٰی متوطن میرٹھ " ہے جو صفحہ ۷۳ پر ختم ہوتی ہے ۔ صفحہ ۷۳ سے ہی قطعات تاریخ شروع ہو جاتے ہیں ۔ پہلا قطعہ محمد حیات خاں حیات کا ہے جس سے سن ۱۲۸۱ھ برآمد ہوتا ہے ۔ دوسرا قطعہ محمد حسین خاں تحسین مہتمم مطبع احمدی کا ہے ، اس سے بھی سن ۱۲۸۱ھ نکلتا ہے ۔ تیسرا قطعہ محمد وجاہت علی خاں وجاہت مہتمم مطبع دارالعلوم میرٹھ کا ہے ، اس سے ۱۲۸۱ھ نکلتا ہے ۔ چوتھا قطعہ منشی بجے نرائن ذرہ تلمیذ مؤلف کا ہے ۔ یہ تمام قطعات تاریخ طبع اول سے متعلق تھے ۔ اس کے بعد طبع دوم کے قطعات شروع ہو جاتے ہیں ۔ ان میں پہلا قطع محمد اسماعیل ذبیح میرٹھی کا ہے جس کے مصرعوں سے سن ۱۲۸۵ھ اور ۱۸۶۹ء نکلتا ہے ۔ انھی کا دوسرا قطعہ فارسی زبان میں ہے جس سے ۱۲۸۵ھ نکلتا ہے ۔ اس کے بعد منشی کریم الدین صاحب اشک متوفی ۱۲۹۲ھ شاگرد مؤلف کا قطعہ ہے جس سے سن ۱۲۸۵ھ نکلتا ہے ۔ آخر میں صفحہ ۷۶ پر " قطعۂ تاریخ از حضرت مؤلف تذکرہ " ہے جس سے ۱۲۸۵ھ برآمد ہوتا ہے ۔ اسی صفحہ پر خاتمۃ الطبع ہے ۔

طبع دوم میں شاعرات کی کل تعداد ۷۰ تھی اور ترتیب یہ تھی :

(الف) اختر ، اسراؤ ، آتون ، آقا بیگم ، آرزوے سمرقندی ، آغا ثانی ، آغا دوست ، امانی ، آرام دل ، اشرف ۔

(ب) بزرگ ، بیدل ، بنو ، بستی ، بہو بیگم ، پارسا ۔

(ت) تسلی

(ث) ثنا ، ثریا ۔

(ج) جانی بیگم ، جینا ، جعفری ۔

(ح) حیدری ، حجابی ، حیا ، حیات ۔

(خ) خانزادی ، خفی ۔

(د) دلہن ۔

(ر) راحت ، رعنا ۔

(ز) زینت ، زهره ، زهره ۔

(س) سید ، سلطان ۔

(ش) شوخ ، شیریں ، شیریں ، شرم ۔

(ص) صاحب ، صنوبر ۔

(ض) ضرورت ، ضیا ۔

(ع) عصمتی ، عزت ، عشرت ، عصمتی ، (نواب جہاں آرا) ۔

(غ) غریب ۔

(ف) فرحت ، فنا ۔

(ق) قمر ۔

(ک) کمن ، کنیز ، منجھو بیگم ۔

(ل) لطیف ۔

(م) مشتری ، محبوب ، مخفی ، مہری ۔

(ن) نازلی ، نزاکت ، نہانی ، نور جہاں ، نسائی ۔

(و) وزیر ، وزیر ۔

(ہ) ہمدمی ۔

(ی) یاسمین ، یاس ۔

طبع سوم | 'بہارستان ناز' پہلی مرتبہ ۱۸۶۴ء میں ، دوسری مرتبہ ۱۸۶۹ء میں چھپا ؛ تیسری اور آخری بار یہ تذکرہ مؤلف کی زندگی میں ہی ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں مطبع عثمانی میرٹھ باہتمام منشی علیم الدین خاں چھپا ۔ دوسری اشاعت تک اردو زبان میں شاعرات کا یہ اولین تذکرہ تھا ۔ اس وقت تک اردو زبان میں شاعرات کا کوئی تذکرہ شائع نہیں ہوا تھا ۔ 'بہارستان ناز' کی دوسری اور تیسری اشاعتوں کے درمیان اردو زبان میں شاعرات کے کچھ اور تذکرے بھی شائع ہوئے : مثلاً درگا پرشاد نادر کے تذکرے ۔ تیسری اشاعت کے وقت 'بہارستان ناز' کی از سر نو تالیف عمل میں آئی ۔ طبع دوم میں شاعرات کی تعداد ۷۰ تھی لیکن طبع سوم میں ان کی تعداد ۱۷۴ ہو گئی ۔ صفحات کی تعداد بھی ۷۶ سے بڑھ کر ۱۱۴ ہو گئی ۔

۱۷۴ شاعرات کو بہ ترتیب حروف تہجی بیان کیا گیا ہے :

حروف تہجی	تعداد شاعرات	حروف تہجی	تعداد شاعرات
الف	۱۷	د	۴
ب	۱۴	ذ	۱
ت	۲	ر	۲
ث	۲	ز	۶
ج	۱۲	س	۴
ح	۱۵	ش	۹
خ	۴	ص	۴

حروف تہجی	تعداد شاعرات	حروف تہجی	تعداد شاعرات
ض	۲	گ	٦
ط	۱	ل	۱
ظ	۱	م	۱۵
ع	۱۲	ن	۱۹
غ	۱	و	۲
ف	٦	ہ	۱
ق	۳	ی	۳
ك	۳		

میزان ۱۷۴ شاعرات

ان ۱۷۴ شاعرات میں سے حسب ذیل ۳۹ شاعـرات فارسی گو ہیں :

۱- آتون (توی آتون زوجہ ملا بقائی)
۲- آقا (آقا بیگم ساکن خراسان)
۳- آقا بیگم
۴- آرزوے سمرقندی
۵- آرام (دلآرام بیگم)
٦- آرزو
۷- امانی
۸- بادشاہ خاتون (دختر قطب الدین محمد سلطان)
۹- بیدلی (زوجہ شیخ عبداللہ دیوانہ)
۱۰- بزرگی
۱۱- بیجہ خاتون (معاصر ملا جامی)

۱۲- پرتوی (ساکن تبریز

۱۳- جمالی (دختر مولانا بدرالدین هلالی)

۱۴- جمیله

۱۵- جهان آرا (بنت شاه جهان)

۱۶- جهان خاتون (معاصر عبید ذاکانی)

۱۷- حیات (نواب حیات النساء بیگم زوجۂ ثانی جهان گیر)

۱۸- حجابی (دختر خواجه هادی متوطن استر آباد)

۱۹- حیات (زوجه خواجه قوام الدین)

۲۰- حیاتی (ساکن هرات)

۲۱- خان زادی (دختر امیر متوطن تبریز)

۲۲- دوستی (دختر میر قیام نسائی متوطن سبزوار)

۲۳- دولت (ساکن سمرقند)

۲۴- زامیری

۲۵- سید بیگم

۲۶- شیرین (رضیه سلطان بیگم بنت سلطان شمس الدین التتمش)

۲۷- شیرین (بیگا طوائف لکهنؤ)

۲۸- عایشه (متوطن سمرقند)

۲۹- عصمتی

۳۰- عصمتی (قاضی زادی سمرقند)

۳۱- عصمتی (نواب جهان آرا بیگم)

۳۲- عفتی (خادمه شیخ آذری متوطن اسفر)

۳۳- فنا (مهتاب النساء بیگم زوجه جهانگیر)

۳۴- فاطمه (بی‌بی فاطمه سام دهلوی)

۳۵- گنا (گنا بیگم زوجه نواب عماد الملک

۳۶- لطیف (لطیف النساء زوجه شمشیر خان متوطن عظیم آباد)

۳۷- مخفی (زیب النساء دختر عالم گیر)
۳۸- مشتری (قمرن جان معروف به منجھو ، طوائف لکھنؤ)
۳۹- مدنیہ (مدنیہ مغلانی)
۴۰- محترم (دختر ملا علی مشہدی زوجہ میر مرتضیٰ ارتمانی)
۴۱- مہری (ملازمہ گوہر شاہ بیگم بعہد شاہ رخ مرزا)
۴۲- نور جہاں (زوجۂ جہاں گیر)
۴۳- نہانی (جلیس حرم بیگم والدہ سلیمان شاہ)
۴۴- نسائی (فخر النساء متوطن خراسان)
۴۵- نہانی (بیگم)
۴۶- نہانی (ہمشیرہ خواجہ افضل دیوان ساکن کرمان)
۴۷- نہانی (معاصر اکبر)
۴۸- وزیر (وزیر النساء بیگم)
۴۹- ہمدمی (شریفہ بانو)

ان ۴۹ شاعرات میں سے ۳ شاعرات ایسی ہیں جو اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ ان تین شاعرات کے تخلص یہ ہیں :

۱- شیریں ۔ ۲- لطیف ۔ ۳- مشتری ۔

تذکرہ 'بہارستانِ ناز' تیسری اور آخری مرتبہ ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا تھا ۔ ۱۸۸۵ء میں مؤلف علام حکیم محمد فصیح الدین رنج میرٹھی کا انتقال ہو گیا ۔ مؤلف کے انتقال کے بعد آج تک پھر یہ تذکرہ نہیں چھپ سکا ۔ مدت مدید سے نایاب ہے ۔ حکیم فصیح الدین رنج نے تو انتہائی تنگی اور عسرت کے ایام میں بھی حکام سے مصارفِ طبع لے کر اسے چھپوادیا تھا لیکن ان کی اولاد شہر کے رئیس کہلانے پر فخر کرتی رہی۔ صاحب استطاعت بھی تھی، رنج کی چھوڑی ہوئی گدی (مطب) پر

متمکن بھی تھی ۔ اس کے باوجود انھیں اپنے جد امجد کے اس یگانۂ روزگار تذکرے کو پھر چھپوانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی حتیٰ کہ یہ تذکرہ اپنے مؤلف کے اخلاف کی سعادت مندی کی بدولت بالکل نایاب ہو گیا ۔ مجھے اگرچہ اس کی تینوں اشاعتیں دستیاب ہو گئیں لیکن میرا خیال ہے کہ شاید اس تذکرے کا کوئی اور نسخہ کم از کم پاکستان میں تو موجود نہیں ہے ۔

تبصرہ

اولین تذکرہ 'بہارستانِ ناز' پہلی مرتبہ ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا۔ یہ شاعرات کا اولین تذکرہ ہے جو اردو زبان میں لکھا گیا ہے ۔ اس وقت تک اردو شاعرات کا ذکر دوسرے تذکروں میں ضمناً آجاتا تھا ، لیکن اردو شاعرات کا کوئی علیحدہ تذکرہ مرتب نہیں ہوا تھا ۔ البتہ فارسی شاعرات کے چند تذکرے موجود تھے ۔ اس لحاظ سے 'بہارستانِ ناز' کو اردو شاعرات کا پہلا تذکرہ قرار دیا جاتا ہے ۔

'بہارستان ناز' میں طوائفوں کا ذکر بہارستانِ ناز کے لیے یہ تخصیص نہیں تھی کہ کون کون سی شاعرات شامل کی جائیں ۔ یہ اتفاق ہے کہ شعر کہنے والیوں میں اکثر طوائفیں واقع ہوئیں ۔ چناں چہ 'بہارستانِ ناز' میں مشمولہ ہے ، شاعرات میں سے بیش تر طوائفیں ہیں ، لیکن یہ طوائفیں آج کل کی طوائفیں نہیں ہیں جو نیم تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اور آئینِ معاشرت و آدابِ تمدن سے کوسوں دور ۔ اُس عہد کی طوائفوں کا ایک مخصوص کلچر تھا ، شرفاء کا اُن سے ملنا جلنا ناپسندیدہ نہیں سمجھا جاتا تھا ، بلکہ بڑے بڑے اصحابِ فضل و کمال اُن سے وابستگی کے اظہار کو اپنے لیے موجبِ ننگ و عار نہیں سمجھتے تھے ۔

اُس زمانے کی طوائفیں چوں کہ تعلیم و تربیت سے کما حقہٗ بہرہ ور ہوتی تھیں اس لیے وہ معاشرت میں ایک مقام رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم مومن خاں دہلوی نے نہ کبھی اپنی 'صاحب جی' سے تعلق کی شہرت کو اپنے وقار کے منافی جانا اور نہ کبھی اس کو اخفاء میں رکھنے کی کوشش فرمائی۔ یہی حال نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا ہے کہ 'نزاکت' سے اپنی نسبت کو کبھی انھوں نے اپنے دامنِ شرافت پر کوئی بدنما داغ تصور نہیں کیا، حالاں کہ 'صاحب جی' اور 'نزاکت' دونوں طوائفیں تھیں اور مومن و شیفتہ کا شمار ہندوستان کے ممتاز ترین شرفاء میں ہوتا تھا۔ مومن خاں مومن کی صحبت میں 'صاحب جی' کا ملکۂ شاعری نکھر آیا اور مصطفیٰ خاں شیفتہ کے زیرِ اثر 'نزاکت' کو اپنی نازک خیالی کے اظہار کا موقع میسر آیا۔ اسی طرح سے بہت سے اربابِ علم و فضل سے فیضانِ نظر نے بہت سی طوائفوں کو علم و کمال کے زیور سے آراستہ کیا اور اس تعلق کو کبھی ہیچ نہ جانا۔

یہی کیفیت مؤلف 'بہارستانِ ناز' کی بھی ہے۔ وہ طبعاً رنگین واقع ہوئے تھے۔ چناں چہ جب اُنھوں نے شاعرات کا تذکرہ لکھا تو ان کی شگفتہ خاطری نے اس طبقۂ مخصوص کے فضائل سے عالم کو روشناس کرنے کی کوشش بھی فرمائی۔ حکیم صاحب کو اس سلسلے میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ مثلاً وہ اُس زمانے کی اصطلاح میں خود ایک 'رندِ شاہد باز' تھے۔ لا تعداد طوائفوں سے ان کی راہ و رسم تھی۔ میرٹھ میں ہی اس زمانے میں ایک شہرۂ آفاق طوائف 'بیتا' تھی جو ان کی مخصوص منظور نظر تھی۔ اُن کے احباب بھی اس راہ سے نا آشنا نہیں تھے۔ چناں چہ انھیں اپنے ذاتی مشاہدات کے علاوہ اپنے دوستوں کے

علم سے بھی متمتع ہونے کا کافی موقع ملا ۔ یہی وجہ ہے کہ اُس عہد کی کوئی مشہور شاعرہ اُن کے حیطۂ علم سے باہر نہیں رہ سکی ۔

مرقومہ بالا عبارت سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ اُس عہد میں صرف طوائفیں ہی شعر گوئی کی طرف مائل تھیں ۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے شریف اور متمدن گھرانے کی خواتین بھی شعر کہتی تھیں لیکن وہ اپنی شہرت کو اپنے منصب و مقام کے لحاظ سے مناسب نہیں سمجھتی تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام کے مجموعے اور دواوین ان کے مکانات کی چاردیواری تک ہی محدود رہتے تھے ۔ اس کے باوجود مؤلف 'بہارستانِ ناز' نے ایسی شاعرات کے حالات معلوم کرنے اور ان کے اشعار قلم بند کرنے میں اپنی سعی امکانی سے دریغ نہیں کیا بلکہ اس سلسلے میں ان کی مساعیِ جمیلہ بڑی حد تک مشکور ہیں ۔

شاعرات کے سلسلے میں طوائفوں کا ذکر صرف 'بہارستانِ ناز' میں ہی نہیں ملتا بلکہ اس کے بعد مرتب ہونے والے تذکرے بھی اس ذکر سے بھرے ہوئے ہیں : 'بہارستانِ ناز' کے بعد ۱۸۷۸ء میں درگا پرشاد نادر کا تذکرہ 'چمن انداز' شائع ہوا ۔ اس میں ۴۳ شاعرات مذکور تھیں ۔ ان ۴۳ میں سے صرف ۷ شریف‌زادیاں تھیں ، بقیہ طوائفیں ۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہماری اُس عہد کی معاشرت میں طوائف کو ایک ایسا مقام حاصل ہوگیا تھا کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں تھا ۔

شوخیٔ بیان و رنگینیٔ زبان اور دلآویزیٔ انتخابِ اشعار

حکیم محمد فصیح الدین رنج طبیعت کے بہت رنگین اور شگفتہ خاطر واقع ہوئے تھے ۔ چناں چہ ان کی طبیعت کی رنگینی ان کی نظم و نثر دونوں پر چھائی ہوئی ہے ۔ رنج کو زبان و بیان

دونوں پر زبردست قدرت حاصل ہے ۔ ان کی نثر اتنی دلآویز ہوتی ہے۔ کہ اس کے سامنے نظم ہیچ نظر آتی ہے ۔ پھر خوبی یہ ہے کہ تمام کتاب میں یکسانی و ہمواری ہے ۔ یہ نہیں ہے کہ عبارت کہیں زوردار ہے اور کہیں کمزور ہے ۔ پھر اشعار کا انتخاب حکیم صاحب کی خوش ذوقی پر دلالت کرتا ہے ۔ میں نموتناً ذیل میں چند شاعرات کے احوال میں سے چیدہ چیدہ فقرے نقل کرتا ہوں جس سے رنج کے اسلوبِ نگارش کا اندازہ ہو جائے گا :

۱- 'امیر' کے سلسلے میں لکھتے ہیں[1] : ''رشک حسن فروشانِ بازاری ہے ، بے وفائی کی دوست اور دشمنِ وفاداری ہے ۔''

۲- 'امیر جان امیر' کے لیے رقم طراز ہیں[2]: ''کہتے ہیں کہ بہت بھلے مانسوں کو ٹیڑی کی طرح چاٹ گئی ۔''

۳- 'اچپل' کے بیان میں[3]: ''آنکھوں کے اندھوں ، گانٹھ کے پوروں کا مال چکموں سے لے لینا اس کا کام ہے ۔ سہارن پور کی رہنے والی ۔ سنا ہے کہ رنڈی ہے ، بقول 'اودھ پنچ' شہر بربادی کی پگڈنڈی ہے۔''

۴- 'بیگم' (رشک محل بیگم) کا ذکر کرتے ہوئے[4]: ''دل اب بھی کھلا ہوا ہے مگر چہرہ بزیرِ نقاب ہے ۔''

۵- 'بدلا' (بدلا جان) کے بیان میں[5]: ''گو سانولی ہے مگر معشوق کی بھی آن ہے ۔کیوں حضرت ! اس ''گو کے'' کیا معنی ؟ سانولی صورت میں کیا برائی ہے ، مجنوں نے اسی

۱- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۱ ، ۲۲ ۔
۲- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۵ ۔
۳- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۵ ۔
۴- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۰ ۔
۵- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۱ ۔

رنگ پر تو خاک اڑائی ہے۔ گانے میں بیجو باورے کی روح کو باولا بنا دیا، ناچ میں پرکاش کو چکرا دیا۔ تان سین اب تک قبر میں تان لیتے وقت انھیں کا نام لے کر اپنے کان پکڑتے ہیں۔ زمانے کے گویّے ان کے حاسدوں سے ان کے اوپر لڑتے ہیں۔۔۔۔۔ اُن کے خُلقؔ کے بہتے ہوئے دریا میں اب بھی کوئی نہ کوئی ہاتھ دھو جاتا ہے۔ ایمان کی کہیں گے، وفاداری میں طاق ہیں، مروت اور محبت میں شہرۂ آفاق ہیں اور شاعرہ بھی فرد ہیں، دیکھو ان کی غزل کے یہ اشعار کیا پر درد ہیں:

بہار آئی ہے پھر رنگِ دلِ ناکام بدلا ہے
ہوا بدلی مزاجِ بادۂ گل فام بدلا ہے
یقیں ہے آج بے خواروں کی دعوت ہے کہ تو نے بھی
گھٹا کا اودا جوڑا چرخِ نیلی فام بدلا ہے
سنا ہے غیر کی بدلی ہے قسمت کیا ہمارا بھی
کہیں اب کے مقدّر گردشِ ایام بدلا ہے
سنا کر مجھ کو باتیں غیر سے کرتے ہو بہتر ہے
میں بدلا لے کے چھوڑوں گی جو میرا نام بدلا ہے

۶۔ 'خفی' (بادشاہ بیگم) کے لیے ملاحظہ فرمائیے[۱]: ''معاش سے دنیا میں اور عقوبات سے عقبیٰ میں بےاندیشہ ہے۔''

۷۔ 'سردار' (سردار بیگم) کے متعلق لکھتے ہیں[۲]: ''نہ بے حجابی کا غم ہے، نہ پردہ نشینی کی شادی ہے۔۔۔۔۔ سائے میں براتیں اور بے سائے بے مغزوں کی چاند بجاتی ہے۔''

۸۔ 'کمن' کے لیے رقم طراز ہیں[۳]: '' ایک بھنگیرن سبزہ رنگ

۱۔ 'بہارستانِ ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۴۵۔
۲۔ 'بہارستانِ ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۵۳۔
۳۔ 'بہارستانِ ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۴۲۔

بھرت پور کے کسی بازار میں بیٹھتی تھی ، شام کے وقت اس کی دکانِ دلستان پر ہجومِ بھنگ نوشاں ہوتا ۔ جب سب کو نشے چڑھتے تو باہم ان کے خوب چھنتی ۔ رفتہ رفتہ ضلع جگت پھکڑ میں طاق اور شہرۂ آفاق ہو گئی ۔''

۹۔ 'گوہر' پرتاب گڑھی کے متعلق ملاحظہ فرمائیے[۱] :

''سلطان پور کے مدرسۂ نسواں میں اردو فارسی میں کسبِ کمال کیا ۔ طغرا ظہوری کے ورق سارے چاٹ گئیں ۔ نثر میں ابوالفضل کو غرقِ انفعال کیا ۔ انگریزی کی منتہی کتابوں کو پوڈنگ کی طرح نگل گئیں ، اس طرف سے فرصت پائی تو شاعری کی کائی پر پھسل گئیں ----- ہر دم نئی بلا کا سامنا ، ہر لحظہ ان کا قلب آماج گہِ خدنگِ قضا ۔ ان کے تیغِ ابرو کے عشق میں آنکھ کی راہ سے کسی کا کلیجہ کٹ کر نکلتا ہے ، کوئی دل دادہ بہ صورت جراحت منہ سے لہو اگلتا ہے ، حالاں کہ دنیا میں صاف رواں دواں کا نقشہ ہے مگر نادانی کا برا ، ہر شخص کسی نہ کسی کی محبت میں پھنسا ہے ----- المختصر یہ کلام ان حور لقا کا راقم مشتاقِ لقا ، زیبِ صفحۂ تذکرہ کرتا ہے :

بس اٹھ گئی رسم دل لگی کی
رونے وہ جو بات کی ہنسی کی

ابرو کو تری جو تیغ باندھا
یہ بات تھی اک روا روی کی

۱۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء ، صفحہ ۷۷ ۔

آئیے اے جانِ عالم آئیے
اپنی بندی پر کرم فرمائیے
عید آئی اور گیا ماہِ صیام
چاند سا منہ آج تو دکھلائیے
سال بھر گزرا امیدِ وصل میں
عید کا دن ہے گلے مل جائیے
اک گھڑی بھی بیٹھنا دوبھر ہوا
دل کو سمجھالیں گے، اچھا جائیے
وصل کو کہتا ہوں جب گوہر سے میں
ہنس کے کہتی ہیں کہ منہ بنوائیے

مؤلفِ تذکرہ کی ذاتی دل چسپی | حکیم فصیح الدین رنج بلا کے رنگین مزاج واقع ہوئے تھے - چناں چہ شاعرات کا تذکرہ لکھتے وقت بھی جن شاعرات سے انھیں لگاؤ تھا یا دل چسپی تھی، اس کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے - مثلاً :

۱- 'بستی' کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں[1]: "اجلاس گورنمنٹی میں جو راقم کا جانا آگرے ہوا تھا، اُسی زمانے میں مجھ سے ملنے آئی تھی - صورت میں اگرچہ اچھی نہ تھی الاّ طبیعت اچھی رکھتی تھی -"

۲- 'حجاب' (منی بائی) کے لیے ملاحظہ فرمائیے[2]: "عمر میں ابھی اُنیسویں سال کی گرہ پڑی ہے - شاعری کے رستے میں قدم تو رکھا ہے مگر سنبھل کر چلیں، یہ منزل کڑی ہے - پہلے ہم سے گداختہ دلوں سے اپنا دل لگائیں، معشوق کو

۱- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء، صفحہ ۲۹ -
۲- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء، صفحہ ۳۲ -

بالائے طاق رکھیں، عاشق بن جائیں ۔ آج کل کی شاعرہ سے اب بھی بہتر ہیں ، مشتری اور زہرہ کی ہم سر ہیں ۔ دور دور کی سیر بھی کر چکی ہیں ، پیمانۂ لطفِ زندگی خوب بھر چکی ہیں ۔ ایک ہم سے ہی ملاقات ہونی باقی ہے ، یقین ہے کہ یہ آرزو بر آئے گی ، اگر سچی مشتاق ہے ۔ المختصر یہ منتخب ان کے اشعار حوالۂ کلکِ سامری کردار ہیں ۔"

۳۔ 'نقاب' (حمیدن بائی) کے لیے رقم طراز ہیں[1] : " چوٹی ناگن ہے ، زلف بلا ہے ، گانے میں بھی خوب صورت گلا ہے ۔ ان کے ناچ کے ٹھاٹھ ناسی کتھکوں کو انگلیوں پر نچاتے ہیں ۔ بھاؤ میں لبھاؤ ہے ، بگڑنے میں بھی بناؤ ہے ۔ سولہ برس کا سن ، جوانی کے ارمان نکلنے کے دن ۔ یہ رشکِ زہرہ شاگرد بے حجاب ہے ، اپنی ہمشیر کلاں سے مشقِ سخن کرتی ہے ۔"

۴۔ 'صنم' (درگا بائی) کے سلسلے میں لکھا ہے[2] : " ایک مرتبہ راقم بھی اپنے ایک خلاصۂ مخلصان محمد اشرف خاں رئیس آگرہ کے ساتھ اس شاعرہ سے ملا تھا ۔ ذہن اس کا اس زمانے میں بلا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عربی کی چند کتابیں بھی گھول کر پیے بیٹھی ہے ، دنیا کے سارے مزے حاصل کیے بیٹھی ہے ۔"

۵۔ 'گوہر' پرتاب گڑھی کے لیے رقم طراز ہیں[3] : " سلامتی سے کچھ گا بھی لیتی ہیں مگر اپنا ہی کلام ، ہم سے غریبوں

۱۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء ، صفحہ ۹۰ ۔
۲۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء ، صفحہ ۶۴ ۔
۳۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء ، صفحہ ۴۸ ۔

کی نہ دعا قبول ہوتی ہے نہ سلام۔"

۶۔ 'شریر' (بی جگن) : " راقم بھی بوجہ میاں جان صاحب شفیق موصوف سے چشم آشنا ہے۔"

"بہارستان ناز" میں تنقیدی عناصر | حکیم فصیح الدین رنج نے ایک نہایت شستہ اور ناقدانہ طبیعت پائی تھی۔ وہ ایک اعلیٰ ذوق اور بلند معیار کے مالک تھے۔ چناں چہ انھوں نے متعدد شاعرات کے سلسلے میں اپنے تاثرات کا بےباکانہ اظہار فرمایا ہے اور کسی مروت سے کام نہیں لیا ہے۔ مثلاً :

۱۔ 'اسیر' کے سلسلے میں لکھتے ھیں[1] : " ایک مقطع کے سوا باقی کلام اس کا بکاین کا پھول ہے۔"

۲۔ 'امیر' (امیر جان) کے لیے ملاحظہ فرمائیے[2] : " یہ شعر جو ذیل میں درج ہے، اگرچہ اس کے نام سے مشہور ہے الاّ اس کی طبیعت سے یہ فصاحت کوسوں دور ہے۔"

۳۔ 'جہاں' (شاہ جہاں بیگم) کے لیے رقم طراز ھیں[3] : " یہ کون برہم زنِ ہنگامۂ شاعری ھیں اور کس جزیرے کی یہ شاعرۂ بےنظیر ھیں۔ کس نے ان کو آلٹی پٹی پڑھائی ہے، یہ شاعری ان کو کس نے سکھائی ہے۔ میری رائے میں ان کے دماغ میں فتور ہے جس نے ان کو فکرِ سالم اور ذہنِ سلیم سے دور کر دیا ہے۔ علاج کرائیں تو بہتر ہے۔ اچھی ہوں تو ہمارا ذمہ۔ ناسخ کی غزل کے جواب میں یہ اشعار تحریر ھیں۔ کل غزل کا لکھنا اوقات کا ضائع ہونا تصور کیا گیا۔"

۱۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء، صفحہ ۲۱۔
۲۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء، صفحہ ۲۵۔
۳۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء، صفحہ ۳

۴- 'پری' (بی میجو) کے لیے ستائشی کلمات ملاحظہ کیجئے[1] :
" اشعار کے مصارع ایسے کسی کے دست و گریباں ہی نہیں جیسے ان کے ہیں ۔ سبحان اللہ چستی الفاظ و بندشِ مضامین میں ان کا جواب نہیں ۔ ان کے کلام سے اشعار کے لیے حاجتِ انتخاب نہیں ۔ سرے سے دو چار شعر تحریر ہوتے ہیں :

یہ کیوں بزم میں غیر آئے ہوئے ہیں
بتاؤ تو کس کے بلائے ہوئے ہیں
کہاں تھی یہ بلبل میں نغمہ سرائی
پری کے یہ سب رنگ آڑائے ہوئے ہیں
جنوں کا جوش ہے الجھن ہے گھبراہٹ ہے دھڑکن ہے
دلِ مضطر کسی پہلو نہیں دم بھر بہلتا ہے

۵- 'راویہ' کے لیے لکھتے[2] ہیں : "کسی چھیپی کی دختر ہے، سخن وری میں نہ بدتر ہے نہ بہتر ہے ۔ اس کا کلامِ رنگین بھی چھپنے کے ہی لائق ہے ، سو تحریر ہے :

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا
دل عشق کے صدموں سے خبردار نہ ہوتا

۶- گیتی آرا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں[3] : " عام پیشہ کرنے والیوں میں بڑھی ہوئی ہے مگر شہزادی آپ کو بتاتی ہے ، یہ بے ہنگام بانگ سناتی ہے ۔ یہ شعر اس کا ہے :

ہم نشیں ہیں وہ کہاں کوئی ٹھکانا نہ رہا
یا ہمیں وہ نہ رہے ، یا وہ زمانا نہ رہا

۱- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء ، صفحہ ۳۲ -
۲- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء ، صفحہ ۳۸ -
۳- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء ، صفحہ ۷۹ -

۷- 'نزاکت' بازار نشین بمبئی کے متعلق لکھتے ہیں[1]: "جس نے یہ غزل اپنے نزدیک بہ پیرایہ جواب غزل بی مشتری لکھنوی مشتہر کی تھی۔ کہاں ذرہ کہاں آفتاب، کہاں نزاکت کے بھدے اشعار، کہاں مشتری کی غزل کا جواب۔"

۸- 'چھوٹی صاحب' کے لیے لکھا ہے[2]: "سنا ہے کہ دربار کی نوکر ہے، خان ساماں خدمت گاروں کے پڑھنے کے لیے کلام اس کا بہتر ہے۔"

رغ نے متن میں ہی تنقیدی کلمات درج نہیں کیے ہیں بلکہ حاشیے پر بھی تنقیدی اشارات دیے ہیں۔ مثلاً:

(الف) 'پری' کے اشعار لکھتے وقت جب اس شعر کو لکھتے ہیں[3]:

مٹاؤ نہ ہم کو بتو یوں خدا را
یہ سمجھو تو کس کے بنائے ہوئے ہیں

تو حاشیے پر یہ عبارت نظر آتی ہے: "اس شعر پر تو ہم بھی مٹ ہی گئے ہیں۔" اسی پری کے اس دوسرے شعر کو نقل کرتے ہیں:

نگاہِ کرم غیر پر ہوگی بے شک
جو ہم پر وہ تیوری چڑھائے ہوئے ہیں

اور حاشیے پر نوٹ دیتے ہیں: "'پر' کی جگہ اگر 'سے' ہوتا تو کیا قاضی گلہ کرتا۔"

۱- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۰۳۔
۲- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۸۔
۳- 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۲۔

(ب) 'زهره' انبالے والی[1] کا یہ شعر نقل کرتے ھیں :

آؤ جی آؤ خدا کے واسطے
رحم فرماؤ خدا کے واسطے

اور حاشیے پر نوٹ دیتے ھیں : ''کس مزے کی گھبراھٹ ھے۔''

(ج) 'شرارت' (امیر جان) کا یہ شعر نقل کرتے ھیں[2] :

دور تھی لیکن ھمارے ضعف پر کچھ رحم کر
پیشوائی سیکڑوں منزل مری منزل نے کی

اور حاشیے پر نوٹ دیتے ھیں : ''سقم انتشار ضمیرین واقع ھے۔''

(د) 'نقاب' کا یہ شعر پیش کیا ھے[3] :

ذرا مجھ کو سونے دے اے شور محشر
شبِ ھجر کے ھم جگائے ھوئے ھیں

حاشیے پر لکھا ھے : ''انتشار ضمائر بھی ایک صنعت ھے۔''

محلاّتِ نظر اگرچہ مؤلفِ 'بہارستانِ ناز' نے انتہائی احتیاط سے کام لیا ھے اور بہت ھی مستند باتیں درجِ تذکرہ کی ھیں لیکن پھر بھی چند شاعرات کے حالات مشتبہ ھیں ۔ مثلاً :

۱۔ 'آرام' زوجۂ جہاں گیر شاہ کے متعلق جتنی باتیں لکھی ھیں وہ سب سند طلب ھیں ۔

۲۔ 'شیریں' (رضیہ سلطانہ بیگم بنتِ سلطان شمس الدین التتمش) کا ذکر بھی تاریخی شواھد سے عاری ھے ۔

۱۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۵۱ ۔
۲۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۵۹ ۔
۳۔ 'بہارستان ناز' طبع سوم ۱۸۸۲ء صفحہ ۹۱ ۔

۳- 'عصمتی' (نواب جہاں آرا بیگم) کے سلسلے میں بھی جو کچھ لکھا ہے، اس کی کوئی سند نہیں ملتی -

۴- 'نور جہاں' (زوجۂ جہاں گیر) کے متعلق بھی تمام باتیں مشتبہ ہیں -

۵- 'مخفی' (زیب النساء بیگم دختر اورنگ زیب عالم گیر) کے سلسلے میں جو عام غلط فہمیاں رائج ہیں، انہیں کا اعادہ کر دیا گیا ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ مخفی کا جو دیوان موجود ہے، وہ زیب النساء بنتِ عالم گیر کا ہے - مخفی ایک ایرانی شاعر تھا، گیلان کا بادشاہ تھا - شاہ جہاں کے عہد میں واردِ ہند ہوا تھا، یہ دیوان اسی مخفی کا ہے -

زیب النساء بنتِ عالم گیر اگر مخفی تخلص کرتی اور یہ دیوان یادگار چھوڑتی تو معاصر تذکرہ نگار اس کا ضرور تذکرہ کرتے - معاصر تاریخوں میں عالم گیر نامہ، مآثر الامراء، منتخب اللباب موجود ہیں جن میں شہزادی کے حالات تفصیلاً دیے گئے ہیں لیکن ان میں سے کسی تاریخ میں بھی یہ نہیں ہے کہ زیب النساء کا تخلص مخفی تھا اور اس نے کوئی دیوان یادگار چھوڑا ہے - بہر حال جو دیوان زیب النساء بنتِ عالم گیر سے منسوب ہے، وہ مخفی ایرانی کا ہے - یہ غلطی صاحب 'بہارستانِ ناز' نے ہی نہیں کی بلکہ آج تک کچھ لوگ یہی لکھ رہے ہیں کہ یہ دیوان زیب النساء بنتِ عالم گیر کا ہی ہے -

'بہارستانِ ناز' اور درگا پرشاد نادر کے تذکرے

''بہارستانِ ناز'' کی دو اشاعتیں (۱۸۶۴ء و ۱۸۶۹ء) منظرِ عام پر آچکی تھیں ۔ اس کے بعد دہلی کالج کے تعلیم یافتہ درگا پرشاد نادر سرہندی دہلوی نے شاعرات کے تذکروں کی بنا ڈالی ۔ انھوں نے پہلا تذکرہ ''گلشنِ ناز'' ترتیب دیا جو ۱۸۷۶ء (مطابق ۱۲۹۳ھ) میں مطبع فوق کاشی دہلی سے باہتمام منشی انبے پرشاد شائع ہوا ۔ یہ صرف ۳۶ صفحات پر مشتمل تھا اور فارسی شاعرات کے لیے وقف تھا ۔ اس میں ۵۳ فارسی شاعرات تھیں ۔ اس کے دو سال کے بعد ۱۸۷۸ء میں دوسرا تذکرہ ''چمن انداز'' شائع ہوا ۔ اس کے ساتھ 'گلشنِ ناز' کا تکملہ بھی شامل کر دیا گیا ۔ اس تکملے میں ۸ فارسی شاعرات کا اور اضافہ ہوگیا ۔ ''چمن انداز'' میں ۱۴۳ اردو شاعرات کے حالات اور انتخابِ کلام قلم بند کیا گیا تھا ۔ 'چمن انداز' ۹۶ صفحات پر مشتمل تھا اور یہ بھی مطبع فوق کاشی دہلی سے انبے پرشاد نے ہی شائع کرایا تھا ۔ 'چمن انداز' کا ضمیمہ ۱۸۸۳ء (مطابق ۱۳۰۰ھ) میں مرتب ہوا ۔ ۱۸۸۳ء میں درگا پرشاد نادر نے 'گلشنِ ناز'، 'تکملۂ گلشنِ ناز'، 'چمن انداز' اور 'ضمیمۂ چمن انداز' کو یک جا ترتیب دیا اور اس مجموعے کو ''تذکرۃ النسائے نادری'' کے عنوان سے مطبع اکمل المطابع دہلی میں باہتمام سید فخرالدین طبع کرایا ۔ فروری ۱۸۸۴ء کو یہ مجموعہ شائع ہوا ۔ اس کے آخر میں ایک عریضہ من جانب درگا پرشاد نادر

به جانب مؤلف 'بہارستان ناز' بھی شامل کر دیا گیا ۔ یہ مجموعہ ۱۹۲ صفحات پر مشتمل تھا ۔

درگا پرشاد نادر کے تذکرے 'بہارستانِ ناز' کی دو اشاعتوں کے بعد مرتب ہوئے ۔ اس لیے درگا پرشاد نادر نے حکیم فصیح الدین رنج کے تذکرے 'بہارستانِ ناز' سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ جب رنج نے 'بہارستانِ ناز' کو تیسری مرتبہ طبع کرانے کے لیے ترتیب دیا تو اس وقت درگا پرشاد نادر کا تذکرہ 'چمن انداز' شائع ہو چکا تھا ۔ چناں چہ رنج نے اپنے تذکرے میں مختلف موقعوں پر 'چمن انداز' کے متعلق کلمات لکھے ہیں ۔ بہارستانِ ناز کی طبع ثالث (۱۸۸۲ء) کے بعد نادر نے اپنا مجموعہ ''تذکرۃ النسائے نادری'' ترتیب دیا تو 'چمن انداز' میں 'بہارستانِ ناز' پر تنقید کرنے کے علاوہ ایک علیحدہ عریضہ بھی مؤلف 'بہارستانِ ناز' کو لکھ دیا اور اسے ''تذکرۃ النسائے نادری'' کے آخر میں شامل کر دیا ۔ نادر نے اس مجموعے کے چھپ جانے کے بعد اس کا ایک نسخہ خود مؤلف بہارستانِ ناز کی خدمت میں میرٹھ بھیج دیا ۔ میں وہ عریضہ بجنسہٖ یہاں نقل کرتا ہوں ۔

درگا پرشاد نادر نے جب اپنے تذکروں 'گلشنِ ناز' اور 'چمن انداز' کو مع ان کے 'تکملہ' و 'ضمیمہ' کے مجموعی طور پر 'تذکرۃ النسائے نادری' کے عنوان سے ۱۸۸۳ء میں مطبع اکمل المطابع دھلی سے طبع کرا کے شائع کیا تو آخر میں ایک خط بنام حکیم محمد فصیح الدین رنج صاحبِ 'بہارستانِ ناز' بھی شامل کر دیا ۔ وہ خط چوں کہ تذکرہ 'بہارستانِ ناز' سے براہ راست متعلق ہے اس لیے اسے بجنسہٖ یہاں پیش کر رہا ہوں :

عریضہ

''معروضہ سراپا گناہ ، رو سیاہ ، عجز بنیاد ، درگا پرشاد ، جامع

'تذکرۃ النسائے نادری' موسومہ بہ 'مرأت خیالی' جس کے دونوں حصے 'گلشنِ ناز' و 'چمن انداز' ۱۲۹۲ھ اور ۱۲۹۵ھ میں علیحدہ علیحدہ منشی انبے پرشاد صاحب تاجرِ کتب دھلی نے طبع فرمائے ھیں اور اب مکرر صحیح ھو کر بہ ھیئت مجموعی معہ تکملہ اور ضمیمہ کے چھپا چاھتا ھے۔

بخدمت فیض درجت ، شرافت پناہ ، لیاقت دست گاہ
جناب حکیم محمد فصیح الدین صاحب رئیس میرٹھ
موجدِ تذکرہ نویسیٔ زنانہ ، یکتائے زمانہ
متخلص بہ رنج لکتہ سنج سلمہ اللہ تعالیٰ

حضور نے کمال عنایت فرمائی جو ھیچ مدان کی یاد دل سے نہ بھلائی۔ ۱۲۹۹ھجری قدسی میں جو آپ نے تیسری مرتبہ ترمیم فرما کر اپنی 'بہارستانِ ناز' چھپوائی تو اس میں کئی جگہ 'چمن انداز' کو بخطاب 'ردیات چمن انداز' زیب تحریر فرمایا۔ شاید آپ کو کامل نسخہ ھاتھ نہ آیا اور نہ 'گلشن انداز' حضور کے ملاحظے سے گزرا۔ خیر بقول شخصے :

بدنام اگر ھوں گے تو کیا نام نہ ھوگا

مجھے اس مزخرفات سے کچھ بحث نہیں ھے۔ اپنا مذھب صلح کل ھے۔ میں نے اپنے رسالے میں کوئی لفظ جناب کی نسبت گستاخی کا نہیں لکھا تھا ، ھاں جہاں غلطی پائی تھی اس کو درست کر دیا تھا۔ حضور نے اپنے اخلاق کریمانہ سے جو چاھا بندے کی نسبت زیب ارقام فرمایا۔ اس کے علاوہ مجھے جناب منشی محمد علم الدین صاحب مالک مطبع عثمانی کی خدمت میں تین چار سال سے نیاز حاصل ھے جن کی فرمائش سے جناب نے یہ نسخہ ترمیم فرمایا ھے ، اس سبب سے بھی زیادہ لکھنا فضول سمجھتا ھوں۔ صرف اس قدر مودبانہ گزارش کرتا ھوں کہ تیرہ صفحے کی دس و گیارہ سطر میں جو آپ نے ارقام

فرمایا کہ ”اس تذکرے کو کھرچ کھرچا کر کچھ فرضی اور خیالی شاعرہ کا کلام خود ہی گھڑ کے عاصی کی ریس پر کچھ کاغذ سیاہ کریں گے ـ ـ ـ ـ ـ الخ“ بہ نظر انصاف ملاحظہ فرمائیے کہ بندگان حضور نے 'چمن انداز' سے کیا کچھ نہیں لیا ؟ اس کے سوا حضور اس کام کے بقول اپنے موجد ہیں ، بندہ مقلد ـ ہیچ مدان نے کہیں تصنیف کا دعویٰ نہیں کیا اور تالیف کے معنی یہی ہیں کہ کہیں کی اینٹ ، کہیں کا روڑا ، بھان متی نے کنبہ جوڑا ـ

میرے 'گلشن ناز' میں ترپن (۵۳) اور اس کے 'تکملہ' مطبوعہ سابقہ میں جو 'چمن انداز' کے ساتھ چھپا ہے ، آٹھ (۸) اور 'چمن انداز' میں ایک سو چوالیس (۱۴۴) یعنی کل دو سو پانچ (۲۰۵) عورتوں کا کلام لکھا گیا تھا ـ حضور کی 'بہارستان ناز' مطبوعہ دفعہ سوم میں بھی صرف ایک سو چوہتر (۱۷۴) کی میزان لکھی گئی ہے ، حالاں کہ شمار میں ایک کم آتے ہیں ـ نیز فہرست کا مقابلہ کل سے کیا گیا تو فہرست میں صرف کاف کی نو (۹) شاعرہ لکھی ہیں اور کتاب میں دس (۱۰) کا کلام ہے ـ فرمائیے ، گنا لکھنوی فہرست سے کیوں خارج ہے اور اب جو میرا تذکرہ مکرر چھپا ہے اس میں 'گلشن ناز' کے تکملے میں قریب پچاس کے اور 'چمن انداز' کے ضمیمے میں پچاس شعر گویوں کا ذکر بڑھایا گیا ہے جس سے کل شعر کہنے والیوں کی تعداد تین سو (۳۰۰) سے زیادہ ہوگئی ہے ـ فرمائیے کھرچن کس کی کتاب ہے ؟ اور خیالی گھڑت کی جو تہمت لگائی ہے اس کا حال یہ ہے کہ بندے نے اکثر جگہ منقول عنہ کا حوالہ دے دیا ہے ، مگر ' فکر ہر کس بقدر ہمت اوست ' یا ' ہر کس بہ خیال خویش خبطے دارد ' ـ اغلب کہ حضور نے اس خیالی مسئلے کو برتا ہوگا ، پس دوسرے کو بھی ایسا ہی سمجھ لیا ـ

حضور نے پانچویں صفحے کی گیارھویں سطر میں ترقیم فرمایا "غرض کہ اس تصور میں سینکڑوں تذکرے دیکھ ڈالے، جابجا سے ڈھونڈھ کے نکالے مگر کوئی تذکرہ خاص مستورات کا نہ پایا۔" الخ لیکن جناب نے ان تذکروں کی فہرست ارقام نہ فرمائی۔ سینکڑوں تذکرے تو شاید کل ہندوستان کے کتب خانوں میں بھی نہ ملیں گے، آپ کے دیکھنے میں کہاں سے آئے؟ ہاں کسی چھپے ہوئے تذکرے کے سینکڑوں نسخے کسی مطبع وغیرہ میں دیکھ لیے ہوں گے، کیوں کہ 'جواھر العجائب' مطبوعہ مطبع نول کشور صاحب بھی بندگان عالی کو نہ ملا، کمال تعجب کی بات ہے۔ میرے 'گلشن ناز' مطبوعہ سابقہ کے چوتھے صفحے کو بھی حضور نے ملاحظہ نہ فرمایا جس میں اٹھارہ بیس تذکروں کے نام اور ان میں عورتوں کی شاعری کا پتا لکھا گیا ہے، مگر دیکھتے کہاں سے؟ ہاں تو صرف 'چمن انداز' کی کچھ ردی ہی نظر اقدس سے گزری تھی، کامل کتاب کی آپ کو کیا خبر تھی۔ خیر اب چوتھی دفعہ اس کو ترمیم فرمائیے۔ یہ نسخہ کامل میں حضور کی نذر کروں گا۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

بقول قاضی اختر: شعر

تقصیر ہو معاف تو اک عرض میں کروں
مجھ کو نہ کیجے آپ جو مورد عتاب کا

جب کہ مختلف تذکروں سے حضور نے 'بہارستان ناز' کو انتخاب فرمایا، تو حضور اس کے موجد کس طرح ٹھہرے؟ اگر یہ فرمائیے کہ بہ ہیئت مجموعی تو کوئی خاص کتاب اس قسم کی پہلے نہیں تھی۔ چناں چہ فرمایا ہی ہے تو حضور 'جواھر العجائب' کو اب ملاحظہ فرمائیں کہ وہ شہنشاہ اکبر کے عہد میں تیار ہوئی تھی۔ جس صورت میں کہ آپ موجد نہ رہے، بندہ آپ کا مقلد کیوں کر ہوا؟

ہاں متقدمین کی تقلید سے آپ نے بھی کتاب لکھی، بندے نے بھی تذکرہ تیار کیا، اس میں قصور کیا کیا؟

'چمن انداز' کی ردی سے 'آرائش' کا نامرغوب کلام لے کر آپ نے ناحق اپنی کتاب کی آرائش بگاڑی ہے۔ 'اسیر' کا بکاین کا پھول آپ کی کتاب میں نہ سما سکا۔ تعجب کا مقام ہے کہ 'چمن انداز' کی ردی سے اس کا دوسرا شعر لیا پہلا چھوڑ دیا، تیسرا آج تک اغلب کہ نظر مبارک سے نہ گزرا ہوگا؛ پھر کس طرح آپ اس کے باقی کلام کو بکاھن کا پھول قرار دیتے ہیں۔ 'اشک' کی نسبت جو تحریر ہے، صرف دعویٰ بے دلیل کی تقریر ہے۔ اپنے بیان صداقت نشان کا ثبوت تو دیا ہوتا۔

'بسم اللہ' کے بیان میں منشی انعام اللہ بیگ صاحب کو غیر مشہور جو آپ نے لکھا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ شہرت سے آپ کی کیا غرض ہے۔ دہلی کے مشاعروں میں ان کی غزلیں پڑھی گئیں اور چھپیں، اخباروں میں بھی چھپیں۔ دہلی کے مدرسۂ سرکاری میں یہ صاحب ہوش مدرس فارسی ہیں؛ عالی خاندان، والادومان ہیں۔ اگر آپ ان سے ناواقف ہیں تو کیا یہ غیر مشہور ہیں۔

'حجاب' تخلص نواب بیگم نام صاحب دیوان کے بیان میں جو حضور نے 'چمن انداز' کی ردی سے لکھا ہے کہ 'دروغ بر گردن راوی'، شاید اس میں بندگان حضور کو شبہ رہا ہے کیوں کہ اوروں کا حال و مقال جو 'چمن انداز' سے لیا، وہ سب راست راست سمجھا گیا، صرف اسی میں شک رہا جو یہ فقرہ سنایا گیا؟ مقتضائے تحقیق تو یہ تھا کہ آپ تحقیق فرمائے، اپنا شبہ مٹاتے، میرا قصور جتاتے۔ جیسا کہ میں نے حیا کے بیان میں جناب کی خطا ظاہر کی تھی۔

منجھو خانم 'کنیز' کی رباعی جو حضور نے زیب ارقام فرمائی ہے، وہ دراصل میر علی اوسط صاحب رشک کی ہے۔ ان کا دیوان 'نظم مبارک' (۱۲۵۳ھ) ملاحظہ فرمائیے۔ چوتھی دفعہ کی ترمیم میں اس کی تحریر سے بھی ہاتھ اٹھائیے۔

'فریدن' کے باب میں جو کچھ ارشاد ہوا بجا و درست ہے، کیوں کہ حضور خاص وہاں کے رئیس، ابتدائے آبادی سے شہر میرٹھ کی رنڈیوں کی فہرست آپ کے ہاں تیار ہوگی۔ بندے نے جیسا سنا تھا لکھ دیا تھا۔ بالفرض اگر غلط ہے تو بقول آپ کے 'دروغ برگردن راوی'۔ میرے پاس بمقام لاہور، دلی سے ایک خط میں اس کا احوال یوں پہنچا تھا کہ "میرزا محمد بیگ صاحب حیران قرابت دار نواب شمس الدین خاں صاحب مرحوم کی زبانی فریدن کا حال لکھا جاتا ہے۔ عرصے تک جن کی ملاقات اس شاعرہ سے رہی تھی۔" پس میں نے درج تذکرہ کر دیا۔ وہ خط بجنسہ میرے پاس موجود ہے، جس صاحب کو شک ہو آ کر ملاحظہ فرمائیں۔ پس بندہ اس بہتان سے برکنار ہے۔ بقول ہندی:

جیسی سنی ویسی کہی   پاپ پن سے نیارا رہے

'کنیز' کے بیان میں حضور نے سب سے بڑھ کر گل کھلائے ہیں، عجیب و غریب فقرے اڑائے ہیں۔ سب سے قطع نظر کر کے بندہ صرف اتنا عرض کرتا ہے کہ وہ نصرت الدولہ بہادر کو اہل مطابع نے لفرت الدوالہ بہادر چھاپا۔ حضور نے اسے 'لفرت الدوالہ یہ اور' بنا لیا، خیر اچھا کیا۔ رہا کنیز فاطمہ بیگم، ممکن ہے کہ فاطمہ بیگم کی لونڈی کا تخلص کنیز ہو، حضور ہی اس کو کنیز فاطمہ بیگم نام سمجھے ہوں۔ پس میری ہیچ مدانی پر بہتان بندی ناحق و ناروا ہے، زیادہ گزارش کرنا تہذیب کا منہ کالا کرنا ہے۔

'ماہ لقا' کی نسبت ارشاد ہے کہ " یہ ایک شعر اس کے اشعار سے منتخب ہوا" بخدا سچ سچ کہنا کہ اس کے کتنے اشعار نظر مبارک سے گزرے تھے جن میں سے یہ منتخب ہوا؟ بندے کو تو صرف اس کا یہی شعر ہاتھ آیا تھا، وہی چمن انداز میں لکھ دیا تھا جس کی ردی سے حضور نے نقل کر لیا ہے۔ یہ چوری اور سینہ زوری نہیں تو کیا ہے؟

'نازک' تخلص زینت جان نام کے کلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ "یہ دو شعر اس کے یاد تھے لکھ دیے گئے۔" اگر حضرت کو شعر ہی یاد تھے تو اس کی سکونت و سن و موجودگی چمن انداز سے لکھ دیتے، اس میں کیا قاضی جی گلہ کرتے؟

- 'نازک' تخلص فتن جان نام پر تحریر ہے کہ "منا جان رنڈی کے ڈیرے میں آنے جانے لگی۔" جناب عالی وہ تو اس کے ڈیرے میں آ کر آباد ہو گئی اور چمن انداز کے چھپتے تک منا جان کے پاس رہی، بلکہ اس کے بعد منا جان کی تجہیز و تکفین بھی خود ہی کی۔ آپ نے ناحق 'چمن انداز' کے اس فقرے کو بدلا کہ "منا جان والدہ بتن جان متوفی کے ڈیرے میں آئی۔" غرض اس کا بیان آپ نے خلاف واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ اس پر آپ لکھتے ہیں کہ "باور فرمائیے گا جھوٹ نہیں سچ ہے۔ یہ اشعار اس کی زبانی سنے ہوئے تحریر ہیں۔" سبحان اللہ چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ جناب نے 'چمن انداز' کی خاک چھان کر یہ شعر فتن کے لکھے اور زبانی سنے ہوئے تحریر فرمائے۔ آپ نے جس وقت یہ شعر لکھے ہیں اس وقت اس سے ہم کلام ہونا تو درکنار اس کا دیکھنا بھی غیروں کو نصیب نہ تھا اور اگر آپ پہلے سن چکے تھے تو اول ہی دفعہ یا دفعہ ثانی میں کیوں نہ لکھے۔ الغرض یہ ہٹ دھرمی اچھی نہیں ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے سارے

دعوے نرے دعوے ہی دعوے ہیں ۔ راستی کے دریا سے سب کنارے ہی کنارے ہیں ، خیر غیب کا حال خدا ہی جانتا ہے ۔

صفحہ	سطر	لفظ غلط	صحیح
۳	۸	مطلب	مطاب
۵۱	۱	برام	بزم
۵۱	۸	تھی بعد غدر	بھی بعد غدر
۶۳	۳	کہول کر	گھول کر
۶۸	۱۲	میر کرامت علی	میر برکت علی
۹۶	۳	’ فرحت ‘ کے بیان کی عبارت سے نہ اس کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے نہ مر جانا ۔ کوئی فقرہ موجودگی پر دال ہے ، کوئی فوتیدگی پر ۔ غرض کہ اجتماع نقیضین ہے ۔ بہار مطبوعہ دفعہ ۲ کی تحریر تو اس کی فوتیدگی صاف ظاہر کرتی ہے ۔ دفعہ ثالث کی ناحق دھوکا دیتی ہے ۔	
۹۹	۱۵	لوزم	لورم

جناب حکیم صاحب! یہ سات آٹھ غلطیاں ’بہارستان ناز‘ مطبوعہ دفعہ ثالث کی صرف اس سبب سے نمونے کے طور پر گزارش ہوتی ہیں کہ باوجود اس قدر کوشش و سعی کے بھی مطبع کے کارپرداز جیسی کہ چاہیے ، صحت نہیں کرتے ۔ آپ تو خود وہاں رونق افروز تھے ۔ جس قدر صحت ہوتی ، کم تھی اور جس وقت کہ میرا ”چمن انداز“ چھپا تھا میں لاہور میں تھا اور کتاب دھلی میں چھپی تھی ۔ پھر بھی حضور کو اس میں بجز ایک اس (یہ اور لفظ کے اور کوئی گرفت کا موقع نہ ملا ۔ گو اپنی ہٹ دھرمی سے آپ نے فریدن اور کنیز کے بیان میں اپنے دل کا غبار نکال لیا ۔

خوب ہوا کہ میں عاقبت کی باز پرس سے بری ہو گیا ۔ اب زیادہ گوئی یاوہ گوئی سمجھ کر سلام عرض کرتا ہوں اور اس کا انصاف منصف مزاجوں سے چاہتا ہوں ۔

تحریر تاریخ ۲۰ نومبر ۱۸۸۲ء

الراقـــــم
درگا پرشاد نادر''

یہ عریضہ 'تذکرۃ النسائے نادری' کے خاتمے پر چھپا ۔ تذکرۃ النساء کی طباعت کا اختتام ۱۵- فروری ۱۸۸۴ء کو ہوا ۔ تذکرۃ النساء کے مؤلف درگا پرشاد نادر نے اس کا ایک نسخہ خود حکیم فصیح الدین رنج کو میرٹھ بھیجا جسے حکیم صاحب نے ۲- اپریل ۱۸۸۴ء کو وصول کیا ۔ درگا پرشاد نادر نے رقعہ راستی مرقع، بے مجادلہ مطبوعہ ۱۸۹۲ء (بنام ابوالقاسم محتشم صاحب مؤلف تذکرہ '' اختر تاباں و ماہ درخشاں'' رونق افزائے دار الاقبال بھوپال) کے خاتمے پر اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :

'' غور فرمائیے کہ جب 'بہارستان ناز' دو دفعہ چھپ چکی تو بندے نے 'گلشن ناز' اور 'چمن انداز' تیار کیا ۔ اس میں جہاں موقع پایا بہار مستور کی غلط بیانی دکھائی مگر کہیں بد تہذیبی کی عبارت نہیں لکھی ، مگر اس کے مؤلف نے پھر تیسری دفعہ اپنی کتاب کو ترمیم فرما کر چھپوایا جس میں اس جاہل مطلق کی نسبت جو دل میں آیا حوالہ قلم کیا ۔ پس خاکسار نے بھی اپنے تذکرے کے دونوں حصے بدستور بہ ایزادی تکملہ و تیاری ضمیمہ مع ایک عریضہ چھپوا کر جناب حکیم صاحب مرحوم مؤلف بہار کو نذر کیا ۔ چناں چہ ان کی

دستخطی رسید بھی میرے پاس موجود ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "تذکرۃ النساء جمال جہاں آرا بر رخ نظارگیاں کشور مشکور عطیۂ مصنف بے بدل منشی درگا پرشاد شدم ۔ ۲ اپریل ۱۸۸۴ء" مگر پھر صدائے برنخواست ۔

تصحیحِ متن

'بہارستانِ ناز' کی تصحیح و ترتیب کے دوران میں مرقومۃ الذیل نسخے پیش نظر رہے ہیں :

۱۔ 'بہارستان ناز' طبع اول ۔ مطبع دارالعلوم میرٹھ باہتمام منشی وجاہت علی خاں ۔ سن طباعت ۱۸۶۴ء مطابق ۱۲۸۲ھ ۔ مملوکہ محمد حلیم صاحب ۔

۲۔ 'بہارستان ناز' طبع دوم ۔ مطبع دارالعلوم میرٹھ باہتمام منشی وجاہت علی خاں ۔ سن طباعت ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۶ھ ۔ مخزونہ کتاب خانۂ جامعہ پنجاب لاہور ۔

۳۔ 'بہارستانِ ناز' طبع سوم ۔ مطبع عشاقی میرٹھ باہتمام منشی محمد علم الدین خاں ۔ سن طباعت ۱۸۸۲ء مطابق ۱۲۹۹ھ ۔ مملوکہ مرتب ۔

بہارستان ناز

از

حکیم فصیح الدین رنج و طبیب

مرتبہ

خلیل الرحمٰن داؤدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ثنا ها همه ایزد پاک را
ثریا دہِ طارم تاک را

حمد سلطان اختر افروز و قمر آفریں ضیا بخش شبستان تحریر ہے اور ستائش آقائے زمان و زمیں زینت افزائے بہارستان تقریر ہے۔ ایسا غریب نواز کہ "لقد کرّمنا بنی آدم" سے ہر ذلیل و خوار کو خلعت بزرگی و عزت عطا فرمایا اور ایسا لطیف کارساز کہ دو حرف "کن" سے کونین کی بستی کو اس کثرت سے بسایا کہ گمانِ نازک خیالانِ ادراک چگونگیِ عصمتِ ذاتِ پاک میں وقفِ ہراس اور پیکِ اندیشۂ صاحبانِ ادراک وادیٔ کنہِ صفات میں ہمہ تن یاس۔ شمس و قمر شب و روز دریافت حقیقت میں سرگردان رہے، مگر کوئی صورت معرفت نہ پائی۔ زھرہ و مشتری اسی تصویر میں شکل دیدہ حیران رہے، پر ایک بھی شکل نظر نہ آئی۔ گل رعنا نے اس حیرت میں دل کو خون کیا پر مشام آرزو میں بوئے معرفت نہ آئی۔ سرو و صنوبر نے اس سر کے لیے ہر چند لب جو سر اٹھایا، بجر پانی تاپنے کے بحر حقیقت کی تہ نہ پائی۔ اور یوں تو شان معبود کسی پر مخفی نہیں، سارے عالم پر آشکار ہے مگر قول عارف کامل "ما عرفناک حق معرفتک" باعث سکوت لب اظہار ہے۔ نور جہان تاب مہر سے صاف روشن ہے کہ کسی شوخ کا پرتو جمال ہے، فنا و حیاتِ جہان سے صاف کھلتا ہے کہ یہ بھی اک

شان ذوالجلال ہے ۔ بے دلوں کی تسلی کے واسطے ایک محبوب خاص اُس نے پیدا کیا ، جن و انس و ملک کو جس پر شیدا کیا ۔

نعت جناب سرور کائنات

اور درود بے حد اُس شاہدِ حجلہ نشیں ، حجابِ قاب قوسین کو سزاوار ہے کہ جو سید المرسلین اور وزیرِ مملکتِ کردگار ہے ۔ شور '' انا افصح العرب والعجم'' سے جہان شیریں کام ہوا ، نعرۂ '' اول ما خلق اللہ نوری '' سے شہرہ عام ہوا ۔ عقد انامل نزاکت شامل سے عقد ثریا کا عقدہ حل کیا ۔ اک اشارۂ انگشت شہادت سے شق القمر کا معجزہ دکھایا ۔ اور اوپر آل و اصحاب اُس کی کے کہ جن کو دوست جانی اور محرم رازِ نہانی فرمایا ہے ، انھیں نخل بندانِ گلشنِ آمال و آمانی کی ریاضت سے ریاضِ شرم و حیا بارِ ترقی لایا ہے ۔ خصوصاً صاحب ذوالفقار اخی جعفر طیار جس نے ایک حملۂ حیدری سے قلعۂ خیبر کو خاک سیاہ کیا ، سائل کی ضرورت پر اولاد کو وقف فی سبیل اللہ کیا ؛ دمِ رزمِ کفار وہ جواں مردی دکھائی کہ بڑے بڑے مردان کار سے بوئے نسائیت آئی ۔ اُمت گنہگار کے واسطے دنیا کی فرحت و آرام کو چھوڑا ، دم پارسائی شرک خفی و جلی سے یک قلم منہ موڑا ۔ اور اُس یاسمنِ روضۂ ہمیشہ بہار اصطفا یعنی فاطمۃ الزہرا پر جس کی کنیزوں کی ہم دمی حوران بہشتی کو مایۂ افتخار ہے ، اُس کی عصمت و عفت پر دین و دنیا کا مدار ہے ۔

بعد اس کے نیاز آگین محمد فصیح الدین رنج ساکن میرٹھ نقابِ خفا چہرۂ شاہدِ مضامین سے اُٹھاتا ہے ۔ مشتاقان بزم سخن کو جلوۂ حسنِ مدعا دکھاتا ہے ۔ لیکن ضیقِ فرصت و قلتِ معاش سے قلب کا کچھ اور ہی حال ہے ، لکھنا تو ایک امر عظیم ہے ، کہنا بھی محال ہے ۔ ابتدائے سنِ شعور سے خوشہ چینیِ

خرمنِ اربابِ ہر فن کا شوق رہا ، بدوِ فطرت سے حسنِ سیرت و صورت کا ہمیشہ ذوق رہا ۔ شمعِ جمالِ شاہدانِ مضامین پر دل کو پروانہ ساں جلایا ، صحبتِ اربابِ سخن میں ہر رنگ سے اپنا رنگ جمایا ۔ کبھی سلسلۂ نظم میں اسیر رہا ، کبھی خیال نثر میں وقف تحریر رہا ۔ چندے فن حکمت پر طبیعت آئی ، مطب کا سر میں سودا سمایا ، کبھی ہیئت اور ہندسہ کی مشق بڑھائی ، مگر اضطرابِ قلبِ مضطر سے کوئی حساب درست نہ آیا ۔ گاہ علم دینیات میں وقفِ اہتمام رہا ، کبھی صرف و نحو میں کلمہ و کلام رہا ۔ کبھی منطق کے قضیوں میں جان کھپائی ، گاہ معنی و بیان کی بلاغت پسند آئی ۔ کبھی علم تکسیر جمایا پر بغض و حسد سے اپنے تئیں بچایا ۔ غرض کہ طبیعت نے ہزاروں رنگ دکھائے مگر حضرت دل کہنے میں نہ آئے ۔ بخت و ستارۂ برگشتہ کے یار ہوئے ، پہلو میں رہ کر دشمنِ جانِ زار ہوئے ۔ پھر تو پراگندگی نے وہ سر اٹھایا کہ ہوائے کلفت نے تمام جسم کو بگولہ ساں ہر طرف اڑایا ۔ انواع افکار پیش آئے ، من دانم و دل جو کچھ کہ صدمے اٹھائے ۔ ایک کوہ مصیبت کا تن زیر بار ہوا ، اس تنہائی میں ایک رنج البتہ یار ہوا ۔ گردش فلکی نا مساعدت بخت سے مساعد ہوئی اور طرہ ہوا کہ بنائے فاسد علی الفاسد ہوئی ۔ تلاش معاش نے ایک مدت تک چرخ دکھایا ، چرخ دوّار نے برسوں بے نیل مرام پھرایا ۔ شکل طمانینت خواب میں بھی نظر نہ آئی ، یاس نے روز ایک نئی صورت دکھائی ۔ تدبیر نے ہر چند ہاتھ پاؤں مارے ، تقدیر کی برگشتگی سے سب کچھ ہارے ۔

سبب تالیف اول

اسی اضطرار و انتشار میں شوق تالیف و تصنیف دامن گیر حال ہوا ، فکر اور بڑھی تفکر کو دوگنا کمال ہوا ۔ تذکرۂ شعراء کی

طرف طبیعت مائل ہوئی ، اسی سے فی الجملہ دل لگی حاصل ہوئی ۔ مگر طرز جدید کا دل خواست‌گار ہوا ، ''کل جدید لذیذ'' پردار مدار ہوا ۔ آٹھ پہر تذکروں ہی پر نذر رہی ، غم کونین کی پھر مطلق نہ خبر رہی ۔ ایک روز کیفیت سخن دانی و شاعری 'مخفی' پر نظر گئی ، جی جانتا ہے جو دل پر حالت گزر گئی ۔ خیال آیا کہ عورتوں کا کلام سوائے 'مخفی' کے اچھا کم تر پایا ہے ، اس بزم میں اور مستورات بھی شریک ہیں یا زیب النساء ہی کا برتر پایا ہے ۔ غرضے کہ اسی تصور میں سینکڑوں تذکرے دیکھ ڈالے ، جابجا سے ڈھونڈ کے نکالے ۔ جب کتابوں میں دیکھ بھال کی نوبت آئی ، ایک سے ایک شاعرہ بڑھ کر نظر آئی ۔ مگر کوئی تذکرۂ خاص مستورات کا نہ پایا ، تب دل میں یہ خیال آیا کہ اگرچہ چالوں سے زمانے کی مہلت نہیں ، دم لینے کی بھی فرصت نہیں ، پر جہاں تک ممکن ہو اس باب میں اہتمام کیجیے ، مستورات کا بھی ظاہر نام کیجیے ۔ بعض احباے صادق الوداد نے اس تالیف میں حد سے زیادہ اصرار کیا ، بعض اعزاے واثق الاتحاد نے اپنی دل‌چسپی اور عاجز کی دل لگی کا مدار کار کیا ۔ ہر دم اسی بات کا مذکور رہا ، ہر صحبت میں یہی دستور رہا ۔ جب دو چار آشنا یک جا ہوتے ، خود اشعار پڑھتے ، مجھ سے لکھواتے ۔ جب دوستوں کا اصرار حد سے زیادہ ہوا ، چار و ناچار عاجز اس امر پر آمادہ ہوا ۔ جہاں تک ہو سکا جست جو میں اہتمام کیا ، بہت تلاش سے مستورات کا پیدا کلام کیا ۔ بعض کا کلام کتب قدیم میں لکھا پایا ، اکثر بذریعہ احباب و ارباب کے ہاتھ آیا ۔ جب اس طرف سے فرصت پائی ، بہ قید حروف تہجی ہر شاعرہ کی فہرست بنائی ۔ ترتیب و تالیف کا بہ خوبی انجام ہوا ، ''بہارستانِ ناز'' اس تذکرے کا نام ہوا ۔ جب اس کو مطبوع طبع احباب پایا ، ۱۸۶۴ء میں مطبع دارالعلوم میرٹھ

میں چھپوایا ۔ غرضے کہ مطبوع و مشہور ہوا ، تذکرے کا تذکرہ دور دور ہوا ۔ اکثر دوستوں نے اپنی قدردانی سے قطعات تاریخ تحریر فرمائے ، خاتمے پر حیطۂ تحریر میں آئے ۔ مگر بہ سبب قلت فرصت و عجلت تالیف نوبت نظر ثانی نہ آئی ، اکثر جگہ طبع اول میں غلطی نظر آئی ۔ جابجا کاتب مطبع کی تحریف ہوئی ، کہیں کہیں سہو ترتیب و تالیف ہوئی ۔

وجہ نظر ثانی ، حکام کی مہربانی

اس عرصے میں حکام ذوی الاحترام کو خبر ہوئی ، بعض سخن فہم و ہنرپرور کے بہ متاعِ کاسد منظور نظر ہوئی ۔ ازاں جملہ صاحبِ والا شان ، رئیس خاندان ، حاتمِ باذل ، حاکمِ عادل ، مطلعِ قصیدۂ ہمہ دانی و بذلہ گوئی ، مقطعِ غزلِ نازک خیالی و نکوئی ، مسٹر جارج ارنسٹ وارڈ صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ ادام اللہ اقبالہ' :

مثنوی

گلِ باغِ مروت ، عدل گستر
برِ نخلِ سخاوت ، بندہ پرور
کرم گستر سراپا عدل و انصاف
گلِ خوش نکہتِ گلزارِ الطاف
تمنائے دل برگشتہ تقدیر
سرورِ خاطرِ ناشاد و دل گیر

نے بھی ایک نظر فیض اثر سے ملاحظہ فرمایا ، مؤلف کی مشقت پر داد دی ، نہایت پسند آیا ۔ پھر ارشاد کیا کہ اگر یہ تذکرہ عبارت سلیس میں درست ہو جائے اور تلاش سے کچھ کلام اور بھی ہاتھ آئے ، بعد نظرثانی پھر صحت سے چھپ جائے تو پڑھنے والوں کی

زبان قندِ مکرر کا مزا پائے ۔ جس وقت یہ کلام زبان فیض ترجمان سے سن پایا تو پھر دل نے ایک ولولہ مچایا ۔ خوب جی بھر کے اہتمام کیا ، جہاں تک ہو سکا تلاش نظم کا انتظام کیا ۔ بہت مستعدی سے امتثال اس شریف ہوائے سر سے یہ تذکرہ پھر تالیف ہوا ۔ اسی عرصے میں مؤلف بہ عزم سیرِ مقام علی گڑھ میں آیا ۔ وہاں پر اسمٹ صاحب بہادر مہتمم بندوبست نے بذریعہ تحریر جناب وارڈ صاحب بہادر اس تذکرے کی خبر پائی ، دو چار بار ملنے کے بعد نوبت ملاحظہ بھی آئی ۔ قدردانی سے بہ طیبِ خاطر پسند کیا ، داد سخن دی ، عاجز کو خورسند کیا ۔ مطبع دارالعلوم میرٹھ میں چھپنے کی اجازت ہوئی ، محمد وجاہت علی خاں مہتمم مطبع کے اہتمام سے بہت صحت سے کتابت ہوئی ۔ اب علت غائی اس تالیف کی عرض کرنی بھی ضرور ہے ، کس واسطے کہ اس محنت شاقہ سے کچھ اپنی نام وری نہیں منظور ہے ۔ بلکہ مقصود دلی شیوعِ مفادِ علم و ہنر ہے ، ورنہ شعر و سخن میں ایک سے ایک تذکرہ بڑھ کر ہے ۔ اہل خرد اور صاحب فہم اس بات کی تہہ کو پہنچ جائیں گے ، کور باطن اور تیرہ درون البتہ اس وادی میں ٹھوکریں کھائیں گے ۔ انھیں کور سوادوں کے لیے یہ تذکرہ مشعل ہدایت ہے ، ”در خانہ اگر کس است یک نکتہ بس است“ اتنا ہی کفایت ہے ۔ ہر فرد بشر کو لازم ہے کہ حتی الوسع تحصیل علم و ہنر کا اہتمام کرے ، بعد مرنے کے دنیا میں کچھ دن نام رہے ، وہ کام کرے ۔ عمر ایسی گراں بہا چیز کو رائگاں نہ کھوئے ، چاہ جہالت میں گِھر کے اندھوں کی طرح نہ روئے ۔ علم و ہنر نے انسان کے رتبے بڑھائے ہیں ، ”شرافت الانسان بالعلم“ اگلے لوگ کہتے آئے ہیں ۔ انسان و حیوان میں فقط عِلم فارق ہے ،

یہ جہالت سے مطلق وہ علم سے ناطق ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے : ع

بے علم بودن بود غافلی

سب کو یاد ہے۔ قطع نظر اس کے عبدیت اور معبودیت کا فرق اسی کو معلوم ہوتا ہے جو انسانیت کا مفہوم ہوتا ہے۔ جاہل مطلق ہمیشہ مصداق کفر بے قال و قیل ہے : مصرع

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اس قول کی دلیل ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ عہد سلاطین پلیشیں میں تحصیل علم میں کیا کیا اہتمام ہوا ، اس علم کی بدولت فرقہ اناث کا کیا کیا نام ہوا۔ اکثر ولایتوں میں اب تک بھی یہی دستور ہے کہ زن و مرد کو بہ ضرورتِ کارِ دنیا و عقبیٰ تحصیل علم بھی لابد اور ضرور ہے۔ ایک ولایت انگلشیہ ہی میں یہ اب تک رواج ہے کہ کوئی عورت ادنٰی ہو یا اعلیٰ لکھنے پڑھنے میں غیر کی کب محتاج ہے۔ کیسی کیسی علامۂ عصر اور فہامۂ دوراں ہیں ، کس کس طرح مصروف درس و تدریس بہ دل و جاں ہیں۔ ایک ولایت ہند پر یہ فقط نکبت ہے کہ علم کے نام سے مستورات کو کلیۃً نفرت ہے۔ اور یہ ہی وجہ باعث انواع ذلت و خواری ہے ، اور تو سب ایک طرف یہ فرقہ حق عباد سے بھی عاری ہے۔ ناقص العقل خسر الدنیا والآخرت ہے ، نادان اتنا نہیں سمجھتی کہ یہی جہل حجاب معرفت ہے۔ انسانِ بے علم خانۂ بے چراغ سے زیادہ تر تیرہ دروں ہے : ع

ز جاهل گریزنده چوں تیر باش

سعدی شیرازی کا مضمون ہے۔ بڑی عجب اور افسوس کی بات اور نہایت حسرت کا مقام ہے کہ باوجود ایسے فضائل اور شرائف کے خدا جانے مستورات ہند کو تحصیل علم میں کیوں کلام ہے۔

خیال کرنا چاہیے مستورات ولایت انگلشیہ کی تحصیل و کسبِ علم پر کہ ہر ایک اعلیٰ اور ادنیٰ جملہ علم صنعت اور ادب پر ایک ایک میم اپنے وقت میں علامۂ زمان ہے ، زبان دانی اور تعلیم و تعلم میں مستثنائے جہان ہے ۔ بڑے بڑے اسکول سرکاری میں ان مستورات کو خدمت تعلیم و تادیب ہے ، ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر مستعد تحریص و ترغیب ہے ۔ کیسی ہی جاہلہ اُن کی صحبت میں دم بھر کو جائے ، پھر ممکن نہیں ہے کہ تحصیل علم کا اُس کو دھیان نہ آئے ۔ بہ جز شغل ہنر اور کسی شے سے اُن کو کام نہیں ، سوائے ذکر علم اُن کی زبان پر دوسرا کلام نہیں ۔ بہ خلاف ہند کے کہ یہاں سوائے خور و خواب دوسرا کام نہیں ، بہ جز اپنی تن پروری اور تزئین کے کوئی اہتمام نہیں ۔ کاش یہ لوگ آٹھ پہر میں ایک وقت میں بھی عمر صرفِ حصولِ علم و ہنر کریں ، گاھے گاھے بھی وادیٔ تحصیل میں گزر کریں تو بھی رفتہ رفتہ جہل مرکب دور ہو جائے ، اس فرقے کا عیب بالکل مستور ہو جائے ۔ معاملات اور عبادات سے اچھی طرح خبردار ہوں ، دیدہ و دانستہ ضلالت میں پھنس کر نہ گنہ گار ہوں ۔ طرہ اور ہے کہ جو لوگ اُن کے وارثہ اور والی ہیں ، وہ اُن سے بھی زیادہ تر بےخبر اور لاوبالی ہیں ۔ کبھی اُن کی تربیت کا خیال نہیں ان ناقصوں کو ہرگز قدر کمالہ نہیں ۔ حالاں کہ سرکار گورنمنٹ کا یہ فیض عام اب ہر جگہ جاری ہے ، کوئی شہر و قصبہ ایسا نہیں جہاں اسکول اور مدرسے کی تیاری نہیں ہے ۔ مستورات کی تعلیم کے واسطے علیحدہ مدرسے کی تعمیر و ترتیب ہے ، ایک ایک علامۂ ذی فن فخرلندن وہاں پر معلم و ادیب ہے ۔ اگر یہ لوگ اس حال میں بھی اس دولت سے محروم رہ جاویں تو نہایت عجب ہے بلکہ میری دانست میں یہ بھی اک خدا کا غضب ہے ۔ ”و تعز من تشاء و تذل من تشاء“

کلام رب ہے ، ان کور باطنوں کی تیرگیٔ قلب رفع ہونے کا کون‌ سبب ہے ۔ ہر ذی ہوش کو لازم ہے کہ تحصیل علم و ہنر میں زیست دو روزہ بسر لے جائے ، بشر کو چاہیے شہر جہالت سے دور رہے تا آدمی کہلائے ۔ جس آدمی میں جوہر علم نہیں ، گاؤ گجراتی سے کم نہیں ، مثل مشہور ہے کہ حیوان کچھ نسل آدم نہیں ۔ کیسی غفلت ان جاہلوں پر چھا گئی ہے کہ علم سے بیر ہے ، جہالت بھاگ گئی ہے ۔ مآل کار پر ان ناکاروں کو ہرگز نظر نہیں ، کوچۂ صلاحیت میں ان نابلدوں کا بھولے سے گزر نہیں ۔ کیسے غفلت کے پردے ان کی عقل پر چھوٹے ہیں ، سچ تو یہ ہے کہ ان کور سرشتوں کے دیدۂ بصیرت پھوٹے ہیں ۔ یہ نہیں سمجھتے کہ علم سے خیر و شر کی تمیز ہوتی ہے ، ہنرمند و ذی جوہر کی ذات سب کو عزیز ہوتی ہے : شعر

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
کسب کمال ہیچ نیرزد عزیز من

معاذاللہ کیا لکھتا تھا ، کہاں خیال ہے ؛ زیادہ طوالت ہے ، اختصار مدعا بہت محال ہے ۔ مدعائے ضروری لکھنا اختیار کیا ، اندرز و نصیحت کا اختصار کیا ۔ دنیا مزرعہ آخرت ہے ، جو جیسا کرے گا ، ویسا پائے گا ۔ اپنا کیا وہاں چل کے آگے آئے گا ۔ ع

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

اب ایک اس زیادہ تر باعث تحریر ہے ، لکھنا اس کا بھی ناگزیر ہے کہ اگرچہ اس تذکرے میں سوائے شعر و شاعری اور کسی علم کا مذکور نہیں ، مگر ارباب خرد باریک بیں اگر غور و انصاف سے ملاحظہ فرمائیں تو خوبی اس کی مستور نہیں ۔ کس واسطے کہ اکثر جہال کی طبیعت کلام موزوں سے زیادہ تر مالوف ہوتی ہے ، اکثر دیکھا ہے کہ مثنوی وغیرہ کی طرف ان کی ہمت مصروف ہوتی ہے ۔

ور جب اس طرف بالکل طبیعت کو تعلق ہو جاتا ہے ، تب خود
بھی مثنوی وغیرہ کے پڑھنے کا خیال آتا ہے ۔ جب فی الجملہ
حرف شناس ہو جاتے ہیں ، تب اور قصے اور کہانی کی کتاب سے
دل لگاتے ہیں ۔ جس وقت اچھی طرح بلا اعانت غیر عبارت پڑھنے
میں کمال ہو جاتا ہے ، اس وقت اہل غیرت اور ہمت کو یہ بھی
خیال ہو جاتا ہے کہ جس طرح اس شخص نے یہ کتاب کہی ہے ،
ہم بھی ایک قصہ تصنیف کریں اور جس طرح یہ مثنوی موزوں
ہوئی ہے ، ایک نسخہ ہم بھی تالیف کریں ۔ اس واسطے اس ہیچ میرز
نے اس تذکرے کی تالیف کو اچھا جانا ، احباب کا بہ دل و جان
کہنا مانا ۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ یہ جملہ خلاف علم و ادب
ہے ، مگر انجام کار کو دیکھیے تو بے فائدہ کب ہے ۔ آخر یہ فن
بھی بلاغت و فصاحت سے خالی نہیں ، اس کا لطف وہ کون
اہل مذاق ہے جس پر حالی نہیں ، انشاء اللہ تعالیٰ بہ شرط فرصت
بعد اس کے ایک کتاب طویل احوال مستورات میں لکھنے کا ارادہ
ہے ، کیوں کہ یہ تذکرہ تو فقط مذاقاً لکھا ہے ، مگر اوصاف کمال
اس فرقے پر دل زیادہ آمادہ ہے ۔ اگر گردش چرخ نے کوئی دم
مہلت دی تو جلد پیش کش بزم ارباب ہوگا ۔ بخت برگشتہ اگر رام
ہوا تو کتب تواریخ وغیرہ سے کل حال انتخاب ہوگا ۔ اب امیدوار
ہوں ، اتنی بات کا خواست گار ہوں کہ ارباب فہم و ذوق میری
ہیچ مذاقی پر نہ جائیں ، ”انظر الی ما قال“ پر نظر رہے ،
” و لا تنظر الی من قال“ پر خیال نہ فرمائیں ۔ میں نے صرف
احباب کی خورسی اور حکم کی طاعت سے اس بزم کو آراستہ کر دیا
ہے ، پسند و قبول کی ارباب و احباب سے ہر دم التجا ہے ۔
جس وقت اس گلشن بے خار میں بہرہ نظارۂ گل و ریحان کہ عبارت
اس سے کلام موزوں ہے ، اہل نظر گزر فرمائیں ، اس وقت مؤلف

ننگ خاندان کو بھی یاد کریں ۔ دعاے خیر سے نہ درگزر فرمائیں۔
وما توفیقی الا باللہ المنان بہ نستعین و علیہ التکلان ۔

قطعہ تاریخ مطبوعہ سابق از مؤلف

بھلا مرے تذکرے کو پڑھ کر ہر اک غبی ہو ذکی نہ کیوں کر
کہ بلغمی کے تو حق میں گویا دوا شراب دو آتشہ ہے
خیال تاریخ طبع تھا ہی کہ رنج ناگاہ بے کدے میں
کہا یہ ساقی نے بے کشوں سے کہ کیا شراب دو آتشہ ہے

باعث انطباع مرتبۂ ثالث

تیرہ برس کا زمانہ گزرا ، یہ تذکرہ کہ بجائے خود انیس عالم تنہائی اور دافع درد مریضان جدائی ہے ، چھپا تھا اور چھپتے ہی چھپتے حرز بازوے شائقین و صاحبانِ مذاق ہوا تھا ۔ نادیدہ ہر مشتاق کے دل میں اس کے دیکھنے کی تمنا نے اک ولولہ پیدا کیا تھا ۔ متلاشیوں کو اس کی خواہش نے جابجا پھرایا ، غواصانِ بحرِ اشتیاق نے ہر چند غوطے مارے ، جب یہ انمول موتی نہ ہاتھ آیا تو ہمت ہاری ۔ ایک روز راقم کے ایک مہربان اور وہ بھی پیارے مہربان جن کی مروت کی خود مروت مدح گستر ہے ، جن کی الفت کی خود الفت ثنا گر ہے ، جن کی وفا کا چرچا ہر شخص کی زبان پر ، جن کے اخلاقِ خدا داد میں تسخیر کا اثر ، جن کے مزاج میں متانت ، جن کی آنکھ میں مروت ہے ، غرض جو کچھ ہے یہ سب زیور معشوقہ شرافت ہے ، شریف اور شریفوں کے قدردان منشی محمد علیم الدین خان مہتمم مطبع عثمانی میرٹھ ، جو ملنے کو بہ تقاضاے محبتِ دیرینہ تشریف ادھر لائے ، ادھر ادھر کے اذکار کے بعد اس تذکرے کی کم یابی اور شائقین کے شوق کی بے تابی کا تذکرہ بھی زبان پر لائے اور بہ اصرار تمام فرمایا کہ اگر مجھ کو

اس کے چھاپنے کی اجازت ہو اور پسندیدہ طور پر کتابت ہو تو نہایت اچھا ہو ؟ یوسف گم گشتہ کا پھر خریداروں کو دیدار نصیب ہو تو کیسا ہو ۔ چوں کہ بندہ کو اُن کی خاطر کا پاس تھا تو اجازت ہونے میں کیا وسواس تھا ، مگر یہ بھی دل نے چاہا کہ اور جس کا باقی رہا ہوا کلام اگر میسر آ جائے تو ان اوراق میں بڑھا دیا جائے ۔ غرض اس وقت تک جو کچھ دور و نزدیک سے آیا ، اس مختصر میں بڑھایا ۔ اکثر صاحبوں نے جو اس مرتبہ چھپنے کے قطعات تاریخ عنایت فرمائے ، بعد اندراج سادہ ہائے مطبوعۂ سابقہ وہ بھی تحریر میں آئے ۔ اب ایک اور اس ضروری کا لکھنا بھی ضرور ہے اس لیے کہ اُس کا پہلے ہی ظاہر ہو جانا ہر خاص و عام پر منظور ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض کامل لغو اور ناقص بیان نو مشق ، اپنے منہ میاں مٹھو صاحب چھوچھورے دماغ کے ، دن کے اندھے ، رات کے سوانکھے اس تذکرے کو کھرچ کھرچا کر کچھ فرضی اور خیالی شاعرہ کا کلام خود ہی گھڑ کے عاصی کی ریس پر کچھ کاغذ سیاہ کریں گے ۔ چوہے کو ہلدی کی گرہ سے فائدہ ؟ شعر

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

مگر ویسے اُس ہیچ و پوچ پر جو اپنے تئیں کسی موجد کا مقلد بنائے ، اگر طبیعت کی غواصی پر بھروسا ہے تو اس بحر لیاقت علمی کی تہہ سے غوطہ میں ہمارے آگے کوئی چیز نئی لے کر آئے ۔ شعر

کسی حاسد کو گر ہے ہم سری کا رنج سے دعویٰ
تو یہ حاضر ہے وہ بھی ہاتھ میں اپنے قلم لے لے

ان ناکاروں کو باوصف ہیچ مدانی فروتنی سے عار ہے ۔ ان بے جوہروں کو بازاری آدمیوں کی طرح رات دن ذی جوہروں سے بلاوجہ

تکرار رہے ۔ شعر

بہانہ کچھ نہیں بہر حسد درکار حاسد کو
بھلا کہیے کیا تھا کیا گنہ آدم نے شیطاں کا

جاہلوں میں اپنا اعتبار بڑھانے کو اُستادوں پر منہ آتے ہیں ۔ گو چار اندھوں میں اگر کوئی کانا آ جائے گا تو وہ ضرور اُن میں اچھا کہلائے گا ، مگر پھر اُلٹی منہ کی کھاتے ہیں اور اسی لیے اعتراضات پڑتے ہی بیٹھ جاتے ہیں ۔ شریفوں کا نشان خاص فروتنی ہے ، ورنہ پندار ہے اور ہیرے کی کنی ہے ۔ سچ ہے :

شعر

جو نخل پُر ثمر ہیں اُٹھاتے وہ سر نہیں
سرکش ہیں وہ درخت کہ جن میں ثمر نہیں

حرف الالف

اختر

اختر تخلص ، نواب اختر عل بیگم نام ، خاندان تیموریہ میں صاحب عزت و احتشام ۔ یہ مخمس اُس کا مع چند اشعار تحریر ہے ، کیسی صاف صاف روزمرہ کی تحریر ہے :

خمسہ

تجھ پہ قرباں ہوں میں اے ہاشمی و مطلبی
کہ ہے مشہورِ دوعالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبے کو ترے شوکت افلاک دبی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نور ہے ماہ فلک مہر و کرم
تیرے جلوے سے منور ہوئے دونوں عالم
تاب یوسف کو کہاں ہے کہ ترے دیکھے قدم
من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

واہ کیا شان ہے ، کیا رتبہ ہے اور کیا درجا
خالق ارض و سما خود ہے ترا مدح سرا
انبیا کہتے ہیں سب صلّ علیٰ صلّ علیٰ
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

تو ہے نیسانِ کرم اور سحاب اکرام
بھر دیا موتیوں سے دامنِ امیدِ انام
بار آور ترے باعث سے ہے نخلِ اسلام
نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

سب سے پیدا کیا اللہ نے پہلے ترا نور
پردۂ نور کو اللہ نے رکھا مستور
اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور
ذاتِ پاکِ تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی

ہے ترے نور سے پُر نور زمیں دشت بدشت
گلشن چرخ بنی تیرے برائے گل گشت
تیرے ہی واسطے ہیں خاص یہ جنات بہشت
شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت
بہ مقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

قدسیاں آنکھیں بچھاتے ہیں ترے زیر قدم
خاکِ پا تیری ہوئی سرمۂ چشمِ عالم
بخش دیجو مری تقصیر تو اے شاہ امم
نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بسگ کوے تو شد بے ادبی

سختیٔ حشر سے گھبرائے گی جب مخلوقات
اور نہ بن آئے گی اے ابر کرم کوئی بات
انبیا سب تجھے کہویں گے کہ اے بحر نجات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

ہو گئی لہو و لعب میں ہی مری عمر بسر
یادِ خالق میں نہ مصروف ہوئی میں دم بھر

گھستی ہوں ناصیۂ عجز کو تیرے در پر
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر

اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

دردِ عصیاں کے سبب سے مری جاں چلی
اور بچنے کی نہیں سوجھتی تدبیر کوئی

عرض اختر کی بھی قدسی کی طرف سے ہے یہی
سَیِّدِی اَنْتَ حَبِیْبِی وَ طَبِیْبِ قَلْبِی

آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

اشعار متفرقات

آستاں پر ترے پیشانی کو گھستے گھستے
سر ہی غائب ہوا جس میں کہ ترا سودا تھا

اک آہ شعلہ بار سے دل کو جلا دیا
لو آج ہم نے اس کا بھی جھگڑا مٹا دیا

لکھ کر جو میرا نام زمیں پر مٹا دیا
اُن کا تو کھیل، خاک میں ہم کو ملا دیا

خط لے کے نامہ بر سے جو ٹکڑے اُڑا دیا
غیروں نے آج اُس کے تئیں کچھ پڑھا دیا

تقصیر یار کی نہ قصور عدو ہے کچھ
اختر ہمارے دل نے ہمیں کو جلا دیا

اُمراؤ

امراؤ تخلص ، نام اُمراؤ جان ، صاحب ذہن رسا شیریں زبان۔ لکھنؤ کی رہنے والی ، طبیعت نہایت عالی ، سب سے طرز سخن نرالی۔ اگرچہ کلام اُس کا زیادہ نہیں ملا ، لیکن یہ چند شعر یاد تھے ، بنظر مشتے نمونہ از خروارے لکھ دیے گئے :

اُمراؤ کیا کہوں کہ شبِ ہجر نیشِ غم
چبھتا رہا ہر اک رگِ جاں میں سحر تلک

گر مجھ کو مرے کاکل خم دار نہ ہوتا
تو یوں میں بلاؤں میں گرفتار نہ ہوتا

پلا دے ساقیا زوروں پہ ہے عالم جوانی کا
لگا دے خم مرے منہ سے شراب ارغوانی کا

نقاہت کو مری ناطاقتی مجھ پر رلاتی ہے
ہنساتا ہے ضعیفی میں مرا عالم جوانی کا

یہ دن جب سے کہ خلوت خانہ اُس آئینہ رو کا ہے
ملا ہے دیدۂ حیراں کو عہدہ پاسبانی کا

آتون

آتون تخلص ، نام تونی اتون ، صاحب جمال ، طبیعت نہایت موزوں ۔ علم مجلس میں لاثانی اور انتخاب فن شعر میں کامل حاضر جواب ۔ میر نظام الدین علی شیر سے مباحثہ رکھتی تھی ۔ ایک مدت تک ملا بقائی کے مشاعرے میں طبیعت کی گرمی دکھائی ۔

آخرالامر ملّا بقائی نے اُس سے نکاح کرکے اپنے دل کی آگ بجھائی ۔ ہمیشہ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی سے کام رہا ، میدان تحریر جواب میں شبدیز قلم اُس کا بے لگام رہا ۔ ایک روز ملّا صاحب نے اتفاقاً یہ رباعی پڑھ کر سنائی ، آتون نے فی البدیہ رباعی ذیل لکھ کر اُن کو دکھائی :

رباعی

یاراں ستم پیرزنے کشت مرا
کاواک شدہ چو نے ازو پشت مرا
گر پشت بسوے او دمے خواب کنم
بیدار کند بضربِ انگشت مرا

جواب

ہم خوابگیِ سست رگے کشت مرا
روزے نبود ازو بجز پشت مرا
قوت نچناں کہ پا تواند برداشت
بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

آقا

آقا تخلص ، آقا بیگم نام ۔ یہ شاعرہ مشہور خاص و عام ، خراسان کی رہنے والی مہتر قزاقی کی دختر تھی ۔ محمد جان ترکمان کی رکاب خانہ میں ، جس کے نام خدمت افسری مقرر تھی ۔ ایک شعر

اُس کا درجِ صحفۂ کتاب ہے ، حقیقت میں نہایت عمدہ اور لاجواب ہے ۔

شعر

زھشیاران عالم ھر کرا دیدم غمے دارد
دلا دیوانہ شو دیوانگی ھم عالمے دارد

آقا

آقا بیگم تخلص اور یہی نام ہے ۔ عہد طفولیت میں آفاق جلایر بھی اس کو لوگ کہتے تھے ۔ میر علی جلایر کی بیٹی ، سلطان احمد بادشاہ کی نسل سے بہ عہد سلطان حسین بہادر خاں بلدۂ ہرات میں تھی ۔ ہزار ہا نوکر جلوس اور سواری میں رہتے تھے ۔ بہت شاعروں کو ہر سال بطور وظیفہ غلہ دیا کرتی تھی ، گاہ گاہ انعام نقد سے بھی سلوک کیا کرتی تھی ۔ ایک سال خواجہ آصفی کے وظیفۂ مقررہ میں پس و پیش کیا ، یہ قطعہ خواجہ موصوف نے لکھ کر پیش کیا :

قطعہ

ایا عروسِ خطا بخش جرم پوش بگو
کہ کے وظیفۂ ما را قرار خواھی داد
بوقت غلّہ مرا گفتۂ کہ باز دھم
شوم فدائے درت چند بار خواھی داد

یہ قطعہ سن کر نہایت مسرور ہوئی ، مقررہ میں کچھ اضافہ کیا ، خواجہ کی کلفت دور ہوئی ۔ یہ مطلع اُس کا مع اور دو تین شعر کے تحریر ہے ، پئے زیبِ صفحہ تسطیر ہے :

آہ ازان زلفے کہ دارد رشتۂ جان تاب ازو
وائے زان لعلے کہ ہر دم می خورم خونناب ازو
اشکے کہ سر ز گوشۂ چشمم بروں کند
بر روے من نشیند و دعوائے خوں کند
نتوان دید رخِ خوب ترا ماہ بہ ماہ
زانکہ آن نتوان کرد بخورشید نگاہ
آے کہ فلک بہ لب چکاند مارا
سرگشتہ بروے خود دواند مار
اے کاش بمنزلے رساند مارا
کز ہستی خود باز رہاند مارا

آرایش

آرایش تخلص ، نا مرغوب اس کا کلام ہے ، خدا جانے کیا نام ہے ۔ ہاں دہلی کی رہنے والی بازاری عورت مشہور ہے ، اب کسی کے گھر بیٹھ گئی ، اپنے نام کی طرح پردے میں مستور ہے ۔ یہ شعر اس کا اگرچہ ننگ صفحۂ تذکرۂ زیبا ہے ، الاّ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ اس تذکرے کو نگاہِ بد سے بچانے کا ٹیکا ہے :

جوانی میں بھلی معلوم ہوتی تھی یہ آرایش
بڑھاپے میں تو مہندی مسّی کی ہے خاک زیبایش

اسیر

اسیر تخلص ، اسیر بیگم نام ، کسی قدر درد ناک کلام ،

بیگماتِ چغتائی میں سے ۔ شاہ فخر الدین احمد دہلوی سے اس کو تلمذ حصول ہے ۔ ایک مقطع کے سوا باقی کلام اس کا بکاین کا پھول ہے :

خاک میں مل گئی ہو جس پہ امیر
اس کے دل میں غبار ہے اپنا

امیر

امیر تخلص اور یہی نام ہے ، لکھنؤ کی رہنے والی خوب صورت گلفام ہے ۔ رشکِ حسن فروشانِ بازاری ہے ، بے وفائی کی دوست اور دشمن وفاداری ہے ۔ یہ کلام اس سراپا ناز کا زیبِ صفحۂ "بہارستانِ ناز" ہے :

جدھر کے دیکھنے سے جان زار جاتی ہے
اسی طرف کو نظر بار بار جاتی ہے
یہ بغض تھا کہ نہ چھوڑا تمھارے کوچے میں
صبا لیے مرا مشتِ غبار جاتی ہے
یہ محوِ دید رخِ گل ہے بلبلِ شیدا
نہیں خبر کہ چمن سے بہار جاتی ہے

آرزوئی

آرزوئی سمرقندی ، نام اور تخلص ایک ہے ، صورت اچھی سیرت بھی نیک ہے ۔ کمال شاعری میں مشتاق ، جمالِ حسن میں

شہرۂ آفاق ۔ یہ مطلع اُس کا مصدّقِ سخن وری ہے ، فارسی صاف صاف گنجلک سے بری ہے :

شویم خاکِ رہت گر بگردِ ما نرسی
چناں رویم کہ دیگر بگردِ ما نرسی

اُمراؤ

امراؤ تخلص ، حسینی بیگم نام ہے ، دھلی کی کوئی پردہ نشین والا مقام ہے ، یہ اُس کا کلام ہے :

باغِ عالم میں چھڑانا تھا اگر اپنوں سے
پہلے ہی سبزۂ بیگانہ بنایا ہوتا
گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری
تو مجھے ساکنِ ویرانہ بنایا ہوتا

آرام

آرام تخلص ، دلآرام بیگم نام ہے ۔ یہ بھی اک زوجہ جہانگیر شاہ تھی ؛ نہایت طبّاع اور خوش فکر ، فن شطرنج سے بھی خوب آگاہ تھی ۔ شطرنج بازی میں مشق اس قدر بہم پہنچائی تھی کہ اچھے اچھے شاطروں کا اُس کی چال سے رخ زرد تھا ؛ ہزارہا نقشے عمدہ عمدہ اپنی طبیعت سے ایجاد کرتی تھی ، شاطروں کا نقشہ گرد تھا ۔ نقل ہے کہ ایک روز جہانگیر بادشاہ نے کسی شاہ زادۂ والاتبار

کے ساتھ بساط بچھائی تھی ، اور جو بازی ہارے ایک بی بی جیتنے والے کو دے ، یہ بازی لگائی تھی - شاہ زادے کا فیل اقبال کفیل تھا ، بازی نے اچھا نقشہ دکھایا ، چرخ کی کج بازی سے جہانگیر شاہ کے دل پر مات کا خیال آیا - بازی کو اسی طرح چھوڑ کر محل میں آئے ، چاروں محلوں کو جمع کرکے یہ زبان پر لائے کہ ہم نے بازی میں ایک بی بی کا دینا بدا ہے ، چرخ کی چالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ہارنا بدا ہے - تم باہم مشورہ کرکے بتاؤ کہ کس کی مفارقت کو گوارا کریں اور جو بازی نہ دیں تو کیا چارہ کریں - اول نور جہاں بیگم نے جواب دیا :

شعر

تو بادشاہ جہانی جہاں ز دست مدہ
کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آید

اس کے بعد حیات النسا بیگم دوسرے محل نے یہ شعر پڑھا کہ :

جہاں خوش است و لیکن حیات می باید
اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

ان دونوں کا جواب سن کر فنات النسا بیگم نے یہ کہا کہ :

جہان و حیات ایں ہمہ بےوفا است
فنا را نگہ دار کاخر فنا است

جب بادشاہ نے جانب دلآرام بیگم دیکھا تو اس نے کہا کہ ایسا کیا نقشہ ہے کہ جس سے تم کو امید مات کی ہوئی ؟ میرے روبرو اگر وہ نقشہ رکھو تو اس کو دیکھ کر جواب دوں - بادشاہ نے وہ ہی نقشہ اس کے روبرو جمایا ، دلآرام بیگم نے غور کرکے یہ شعر پڑھا کہ :

شاہا دو رخ بدہ و دلآرام را مدہ
پیل و پیادہ پیش کن از اسپ گشت مات

فوراً بادشاہ نے آ کر اُسی صورت پر نقشہ جمایا ، شاہزادے کو مات کیا ، بازی ہاتھ لایا ۔ یہ اشعار اُس دلآرام کے نقشِ صفحۂ تذکرہ ہیں :۔

به آه و ناله کردم صیدِ خود وحشی‌نگاهان را
بزور جذبه کردم رامِ ما خود کج کلاهان را

محو از دلِ خود ساز همه نقش عدم را
منزل گهِ اغیار مکن فرش حرم را

سرمایهٔ عقبیٰ بکف آور که مبادا
تقدیر کشد بر سرِ تو تیغِ دو دم را

بنوشیدم سحرگه چون شراب جانفزائی را
گرو کردم بجام مے لباسِ پارسائی را

شدم همدم به مےخواران بخلوت خانهٔ حیرت
شکستم ساغر و پیمانهٔ زهد ریائی را

گرفتم دامنِ صحرا شدم هم‌پیشهٔ مجنون
سبق آموز گشتم درسِ عشقِ بےنوائی را

آرزو

آرزو ، نام دریافت نہ ہوا ۔ سمرقند کی رہنے والی ہے ، اس کی طرز سخن سب سے نرالی ہے : گداختہ دل ہے ، طبیعت بھی عالی ہے ۔ یہ ایک شعر اُس کا حوالۂ خامۂ گہر بار ہے :

ماند داغِ عشقِ او بر جانم از ہر آرزو
آرزو سوز است عشقِ من سراپا آرزو

امانی

امانی ، جو تخلص وہ ہی نام ہے ، یہ شاعرہ پرستاران خاص زیب‌النساء میں مشہور عام ہے ۔ مکان اس کا دلی میں کلاں محل کے متصل تھا ، گویا دلی کا دل تھا ۔ بدیہ گوئی میں ایسا کمال تھا کہ زیب‌النساء کو ایک دن جدا رہنا محال تھا ۔ اپنی قابلیت سے اور خواصوں میں خاص تھی ، شیریں زبانی سے منہ لگی ہوئی تھی ، یہی وجہِ اختصاص تھی ۔ ایک روز دمِ گل‌گشت کسی صحنِ چمن میں بیگم نے یہ مصرعہ امانیؔ کو سنایا : ع

اے امانی گلِ صد برگ چرا می خندد ؟

وہ بھی ہوا خواہی میں ہمراہ تھی ، بے فکر و تامل یہ مصرعہ اُس کی زبان پر آیا :

بر فنائے خود و بر غفلتِ ما می‌خندد

یہ شعر بھی اُسی شاعرہ کا حوالۂ نوکِ قلم ہے ، زیب صفحہ رقم ہے :

آن قدر روز ازل تیرہ درونم کردند
تیرگی می طلبد شام غریبان از من

اشک

اشک تخلص ، نامعلوم الاسم ، والا کیفیت ۔ مؤلف ردیات "چمن انداز" لکھتا ہے کہ دہلی کی کوئی شہزادی والا تبار ہے ، الاّ یہ قول اس کا کب قابل اعتبار ہے ۔ یہ ساری غزل راقم کے اکثر تا بگوش پہنچی ہے ، فی‌الحقیقت اور کسی شاعر کی ہے ، جس کے

یہ اشعار کسی ہندو صاحب نے اس شاعرہ کے نام پر لکھے ہیں :

نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے
تجھے تو او بتِ ترسا فقط ترسانا آتا ہے

کسی عاشق کا بے شک استخواں ہے میں نہ مانوں گا
کہ شانہ تیرے رخ تک کیسا گستاخانا آتا ہے

اُمراؤ

امراؤ جان بنت امیر جان ، طوائف گل فام - علی بخش والی معروف ، باہمہ صفت موصوف - دھلی کی رہنےوالی قدیم ، فن عیاری میں فہیم - یہ شعر اس کا سنا گیا ، ذیل میں لکھا گیا :

آئے امراؤ دن ترے اچھے
دن بدن مفلسی جو گھٹتی ہے

امیر

امیر تخلص ، امیر جان - مرقومۂ بالا کہتی ہیں کہ بہت بھلے مانسوں کو ٹیڈی کی طرح چاٹ گئی - یہ شعر جو ذیل میں درج ہے ، اگرچہ اس کے نام سے مشہور ہے ، الا اس کی طبیعت سے یہ فصاحت کوسوں دور ہے :

غصے سے میرا چہرۂ گل نار ہو گیا
پس بار مجھ کو طعنۂ اغیار ہو گیا

اچپل

اچپل تخلص ، ھینگن نام ھے ، آنکھوں کے اندھوں ، گانٹھ کے پوروں کا مال چکموں سے لے لینا اس کا کام ھے ۔ سہارن پور کی رھنےوالی سنا ھے کہ رنڈی ھے ، بقول '' اودھ پنچ'' شہر بربادی کی پگ ڈنڈی ھے ۔ یہ شعر اس کا ھے :

ھے عیش اس کے جی کو اجی غم بہت ھے یاں
شادی وھاں رچائی ھے ماتم بہت ھے یاں

ردیف الباء

بسم اللہ

بسم اللہ ، ہم تخلص و ہم نام ، صاف صاف کلام ۔ انعام اللہ شاعرِ غیر مشہور کی شاگردی میں دم مارتی ہے ؛ غدر سے پہلے پابند حرام تھی ، اب کسی سے نکاح کر کے اپنی عاقبت سنوارتی ہے ۔ الغرض یہ اشعار اُس کے ہیں یا اُس کے کسی چاہنے والے کی اُستادی ہے :

بسم اللہ جان عشق میں قربان کیجیے
مانندِ زلف دل نہ پریشان کیجیے
تری اُلفت میں یہ حاصل ہوا ہے
کبھی مضطر ہے دل ، گاہے تپاں ہے
نہ کیجے ناز حسنِ عارضی پر
نہ سمجھو یہ بہارِ بے خزاں ہے

بنو

بنو نام اور تخلص ۔ ایک صورت اچھی ، سیرت بھی نیک ، خطۂ مردم خیز دھلی کی رہنے والی ہے ؛ پیشہ خانگی ، شیوہ نازک خیالی ۔ دم فکرِ سخن ہزاروں مردوں پر فوق تھا ؛ ہر دم

یہی خبط ، ہر گھڑی یہی ذوق تھا ۔ اُسی شہر میں ایک شخص شفتہ تخلص گلاب سنگھ نام مشہور تھا ، اُس کی الفت کا داغ اس کے دل میں مستور تھا ۔ اس بنو شاعرہ کو بھی دل سے اُس کا خیال تھا ، رابطۂ اتحاد جانبین سے بہ درجۂ کمال تھا ۔ قضا را یک روز عالم زیست میں فراق ہوا ، آشفتہ کو صدمۂ دوری نہایت شاق ہوا ۔ گلے پر خنجر پھیر کر اپنے تئیں ہلاک کیا ، سارا جھگڑا پاک کیا ۔ جب اس شاھد عاشق مزاج نے اس حادثے کی خبر پائی ، بہت پریشان ہوئی : روئی پیٹی چلائی ، یہ شعر زبان پر لائی :

شعر

بچتا نہیں ہے کوئی بھی بیمار عشق کا
یا رب نہ ہو کسی کو یہ آزار عشق کا

اُس روز سے منہیات سے انکار کیا ، گوشۂ تنہائی اختیار کیا ۔ یہاں اُستادی مولائی نجم الدولہ دبیرالملک نواب اسد اللہ خاں بہادر غالب مرحوم کا یہ شعر اُس کے حسب حال ہے :

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

چند روز میں سوز غم نے اثر دکھایا ، دق میں مبتلا ہوئی ، کسی سے علاج نہ بن آیا ۔ چھٹے مہینے اُس کا بھی وصال ہوا ، ایک عالم کو ملال ہوا ۔ یہ چند شعر جو حالت یاس میں اُس نے لکھے تھے ، لکھے جاتے ہیں :

چھوڑ کر مجھ کو کہاں اے بتِ گمراہ چلا
تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

نہ تو موت آتی ہے ، نے زیست کا یارا مجھ کو
ہائے آشفتہ ترے مرنے نے مارا مجھ کو

موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ
تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھ کو
اب کسے چین ، کہاں عیش ، کدھر بستر خواب
نہیں مخمل بھی کم از بسترِ خارا مجھ کو
کیا ہوئی ہائے فغاں کی تری شور انگیزی
لے چلے تجھ کو تو تُو نے نہ پکارا مجھ کو
لاشِ آشفتہ کو بے رحموں نے پھونکا آگ سے
آتش غم بھی جوانا مرگ کی کچھ کم نہ تھی

بادشاہ خاتون

بادشاہ خاتون نام ، تخلص کی تحقیق میں کلام ۔ یہ شاہ زادی قطب الدین محمد سلطان کی دختر تھی ، سلطان قاراں کے وقت میں اپنی ہم عصروں سے بہتر تھی ۔ ذی علم اور فاضلہ تھی ، زھد و ریاض میں کاملہ تھی ۔ خوش نویس اور صاحب اتقا وصوم و صلواۃ ایسی کہ کتابتِ مصحفِ مجید میں اپنی اوقات بسر کرتی تھی ؛ شب بیداری اُس کا شعار تھا ، خداوند عالم کی یاد میں شام سے سحر کرتی تھی ۔ یہ اشعار اُس حیا پرور پاک نظر کے باعثِ افتخارِ تذکرہ ہیں :

درونِ پردۂ عصمت کہ تکیہ گہ منست
مسافرانِ هوارا گذر بہ دشواریست
همیشه باد سر زن بزیر مقنعۂ من
کہ تار و پود وے از عصمت لکوکاریست

رباعی

آں روز که در ازل نشانش کردند
آسایش جان به بیدلانش کردند
دعوئ بلب نگار می‌کرد نبات
زاں روی سه چوب در دهانش کردند

دیگر

بر لعل که دید هرکه از مشک رقم
با غالیه بر دوش کجا رانده قلم
جانان اثرِ خالِ سیه بر لبِ تو
تاریک به آبِ زندگانیست بہم

بیدیلی

بیدیلی نام ، خوش طبع اور خوش کلام ، حسن سیرت اور صورت دونوں میں فرد ۔ عقل میں فرزانه ، شوہر اُس کا شیخ عبداللہ دیوانه ، ولد حکیم خواجه مشہورِ زمانه ۔ یه مطلع اُس کا مشہور ہے ، صفحۂ تذکرہ پر مسطور ہے :

روم بباغ و ز نرگس دو دیده وام کنم
که تا نظارۂ آں سروِ خوش خرام کنم

بزرگی

بزرگی ، ہم تخلص اور ہم نام ۔ قوم کی کشمیرن ، شعرگوئی میں

خوش فکر بلکہ اُستاد فن ۔ عہد جہانگیر شاہ میں دنیائے دوں کو ہیچ سمجھ کر گوشۂ قناعت میں بسر کرتی تھی ۔ ایک روز چار شاعر اس کی ملاقات کو آئے ، اس سربع نشیں مسند توکّل نے ملاقات نہ کی ۔ شاعروں کے دل کو بری لگی ۔ اسی وقت ایک عربی جو اُس کا عاشق تھا آیا ، اُس کو خبر کی ، فوراً اندر بلایا ۔ چاروں شاعروں نے مل کر یہ رباعی لکھ بھیجی :

اے شیوۂ کفر و دیں بہم ساختۂ
غم را بوجود خود عدم ساختۂ
آثارِ بزرگی از جبینت پیداست
کے با عرب و کے بعجم ساختۂ

اُس نے فی البدیہ جواب میں یہ بیت لکھی :

روزے کہ نہادیم دریں دھر قدم را
گفتیم صلاح است عرب را و عجم را

یہ ایک شعر اُس کا بھی درجِ صفحۂ کتاب ہے ، اچھا ہے بلکہ لا جواب ہے :

مو بمو در نالہ ام گو کہ اُستاد ازل
رشتۂ جانم بجائے تار در طنبور بست

بستی

بستی تخلص ، آگرے کی طوائفان میں مشہور تھی ۔ اجلاس گورنمنٹی میں جو راقم کا جانا آگرے ہوا تھا ، اُس زمانے میں مجھ سے بھی ملنے کو آئی تھی ۔ صورت میں اگرچہ اچھی نہ تھی الاّ طبیعت اچھی رکھتی تھی ، اب مفقودالخبر ہے ۔ یہ مقطع اُس کا یاد رہ

گیا تھا ، سو مسطور ہے :

بستی ضرور چاہیے اسباب ظاہری
دنیا کے لوگ دیکھنے والے ہوا کے ہیں

بہو

بہو بیگم صاحبہ ، اہل خانہ نواب یوسف علی خان صاحب بہادر والی رام پور مرحوم مبرور ، تخلص معلوم نہیں ، یہ صاحب عصمت نہایت نازک خیال اور خوش فکر تھیں ۔ سنا ہے کہ مدت ہوئی جہانِ فانی سے بہ عالم جاودانی تشریف فرما ہوئیں ۔ یہ قطعہ اُن کا جو مشہور عام ہے ، حوالۂ قلم خوش خرام ہے :

شب بزم ملاقات میں ہر چند یہ چاہا
آنکھیں میں لڑاؤں کہیں اُس رشک قمر سے
پر خوف مرے جی میں یہی آیا کہ ہے ہے
نازک ہے نہ دب جائے کہیں بار نظر سے

بیگم

بیگم ، ہم نام وہم تخلص ، میر محمد تقی مرحوم کی دختر پاکیزہ خصال ، فن کلام میں با کمال ۔ لکھنؤ وطن ہے ، یہ اُس کا سخن ہے :

برسوں سر گیسو میں گرفتار تو رکھا
اب کہتی ہو کیا تم نے ہمیں مار تو رکھا

کچھ بے ادبی اور شب وصل نہیں کی
ہاں یار کے رخسار پہ رخسار تو رکھا

ات[illegible] غنیمت ہے طرف سے تری ظالم
کھڑکی نہ رکھی روزن دیوار تو رکھا

بیگم

بیگم تخلص، رشک محل بیگم نام، ریختی میں دستگاہ تمام۔ حالاں کہ خود پنجاب کی رہنے والی ہے مگر اپنی زبان بالکل قلعے کی بنا لی ہے۔ کلکتے میں بوجہ عقد واجد علی شاہ صاحب کی ہم رکاب ہے، دل اب بھی کھلا ہوا ہے مگر چہرہ بزیر نقاب ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں، سو حوالۂ خامۂ مشک‌بار ہیں:

نہ بھیجوں گی سسرال میں تم کو خانم
نہیں مجھ کو دوبھر ہے کھانا تمھارا

مری کنگھی چوٹی کی لینی خبر ہو
یہ احسان ہے سر پر دوگانا تمھارا

ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا
تو پھر سنگ ہے اور شانا تمھارا

دیگر

گھر سہ‌گانہ کی دوگانہ مری مہمان گئی
میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

بیجہ

بیجہ خاتون نام ، تخلص بیں عدم آگہی تام - یہ شاعرہ ہم عصر ملا جامی تھی ، علم نجوم و عبادت میں نامی تھی - وضع عارفانہ مگر ظرافت میں بھی مشہور زمانہ - اُس نے بہ نظر ایصال ثواب ایک مسجد بنوائی ، اکابران شہر نے جمع ہو کر نماز اُس میں ادا فرمائی ، مگر ملا صاحب شرکت سے معذور رہے ، کسی سبب سے اس جلسے سے دور رہے اور یہ شعر حوالۂ نوک خامہ فرما کر بیجہ کے پاس بھیج دیا - و ھوا ھذا :

نگذارم بہ مسجد تو نماز
زانکہ محراب تو نمازی نیست

شاعرہ نے ملاؔ صاحب سے کہلا بھیجا کہ جس خدا کی مسجد آپ نے تیار کرائی ہے ، اُسی کی یہ عبادت گاہ میں نے بھی بنوائی ہے - تم میں کیا فضیلت ہے اور مجھ میں کون سی قباحت ہے؟ آپ نے فرمایا ”ہمارے پاس وہ شے ہے کہ آپ کے نصیب نہیں“- اُس نے کہا ”جو شے ہم رکھتے ہیں ملا کے پاس وہ چیز عجیب نہیں“- حضرت کو یہ لطیفہ پسند آیا اور اُس کے مکان پر قدم رنجہ فرمایا - یہ مطلع اُس کا جو اپنے شوہر کے غم میں اُس نے لکھا تھا اور مشہور عام ہے ، حوالۂ خامہ خوش خرام ہے :

کوکب بختم کہ بود از وے منور آسماں
بنگرا ے مہ کز فراقت در زمین است ایں زماں

بدلا

بدلا تخلص ، بدلا جان نام ہے : یاروں کی یار ہے ، عیاروں سے دن رات عیاری کا کام ہے - شہر علی گڈھ مدار دروازہ مکان ہے ،

گو سانولی صورت ہے مگر معشوق کی بھی آن ہے۔ کیوں حضرت اس ''گو'' کے کیا معنی؟ سانولی صورت میں کیا برائی ہے؟ مجنوں نے اسی رنگ پر تو خاک اڑائی ہے۔ گانے میں بیجو باورے کی روح کو باورا بنا دیا، ناچ میں پرکاش کو چکرا دیا۔ تان سین اب تک قبر میں تان لیتے وقت انھیں کا نام لے کر اپنے کان پکڑتے ہیں، زمانے کے گویے ان کے حاسدوں سے ان کے اوپر لڑتے ہیں۔ خیر سے کپڑے لتے سے درست، چار پیسے سے بھی ہتھیلی گرم، ہر طرح اللہ کا کرم اور نیز صاحب جائداد، مگر ان کے مارے کی بھی داد نہ فریاد۔ بعض غریبوں کا اب بھی سلام قبول ہو جاتا ہے، آن کے خلق کے بہتے ہوئے دریا میں اب بھی کوئی نہ کوئی ہاتھ دھو جاتا ہے۔ ایمان کی کہیں گے، وفاداری میں طاق ہیں، مروت اور محبت میں شہرۂ آفاق ہیں اور شاعرہ بھی فرد ہیں، دیکھو ان کی غزل کے یہ اشعار کیا پُر درد ہیں:

بہار آئی ہے پھر رنگِ دلِ ناکام بدلا ہے
ہوا بدلی، مزاجِ بادۂ گلفام بدلا ہے

یقیں ہے آج مے خواروں کی دعوت ہے کہ تو نے بھی
گھٹا کا اودا جوڑا چرخ نیلی فام بدلا ہے

تجھے معلوم کیا ہے ناصحا ہم کو محبت میں
مزا ہے کچھ تو جو تکلیف سے آرام بدلا ہے

سنا ہے غیر کی بدلی ہے قسمت کیا ہمارا بھی
کہیں اب کے مقدر گردش ایام بدلا ہے

سنا کر مجھ کو باتیں غیر سے کرتی ہو بہتر ہے
میں بدلا لے کے چھوڑوں گی جو میرا نام بدلا ہے

پارسا

پارسا تخلص، نام اس کا اس کی طرح پردۂ عصمت میں ہے۔ بنت کلاں نواب مرزا تقی خاں صاحب ہوس۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے عزیزوں میں تھی۔ اس صاحب عصمت کا نکاح خود نواب صاحب مرحوم نے اس وجہ سے نہیں کیا کہ کسی شخص کو نسبت دامادی اپنی نسبت دینے میں ننگ و عار تھا۔ نواب صاحب کے انتقال سے دو سال کے بعد اس پارسا نے بھی وفات پائی۔ یہ ایک مطلع اور ایک شعر اُس کے ذہنِ آسمان پیوند سے ہے:

تن صورتِ حباب بنا اور بگڑ گیا
یہ قصر لاجواب بنا اور بگڑ گیا
چلتا نہیں ہے ابلقِ ایام ایک چال
اکثر یہ بد رکاب بنا اور بگڑ گیا

پرتوئی

پرتوئی، یہ شاعرہ تبریز کی رہنے والی ہے مگر طبیعت عالی ہے۔

جامہ گلگونے در آمد سست در کاشانہ ام
خیز اے ہم دم کہ افتاد آتشے در خانہ ام

پری

پری تخلص، بی میجو نام ہے۔ حسینان بازاری میں سے کلکتے کی کوئی رہنے والی ہیں، ناچنا گانا و حاجت روائی بوالہوسان ان کا

کام ہے ۔ اشعار کے مصاریع ایسے کسی کے دست و گریباں ہی نہیں جیسے ان کے ہیں ۔ سبحان اللہ چستیِ الفاظ و بندشِ مضامین میں ان کا جواب نہیں ، آن کے کلام سے اشعار کے لیے حاجت انتخاب نہیں ۔ سرے سے دو چار شعر تحریر ہوتے ہیں :

یہ کیوں بزم میں غیر آئے ہوئے ہیں
بتاؤ تو کس کے بلائے ہوئے ہیں
کہاں تھی یہ بلبل میں نغمہ سرائی
پری کے یہ سب رنگ آڑائے ہوئے ہیں
مٹاؤ نہ ہم کو بتو یوں[1] خدا را
یہ سمجھو تو کس کے بنائے ہوئے ہیں
نگاہ کرم غیر پر ہوگی بے شک
جو ہم پر[2] وہ تیوری چڑھائے ہوئے ہیں

عبث ہیں ساری تدبیریں ہمارا دم نکلتا ہے
قضا ٹالے نہیں ٹلتی کہیں وعدہ بھی ٹلتا ہے
جنوں کا جوش ہے الجھن ہے گھبراہٹ ہے دھڑکن ہے
دل مضطر کسی پہلو نہیں دم بھر بہلتا ہے

۱۔ اس شعر پر تو ہم بھی مٹ گئے ۔
۲۔ ''پر'' کی جگہ اگر ''سے'' ہوتا تو کیا قاضی گلہ کرتا ۔

حرف التاء

تسلی

تسلی تخلص ، منا جان نام ، نازک فکر ، شیریں کلام ۔ یہ ایک خانگی خطۂ بے مثال کرنال میں تھی ، اس کے حسن کلام کا شہرہ دور دور تھا ، ھزاروں امیر و سخن سنج باتوقیر کی زبان پر اس کا مذکور تھا ۔ طبیعت موزوں اور ذہن رسا رکھتی تھی ۔ یہ ایک مقطع اس مطلعِ آفتابِ مضامین کا تحریر ھے ، حقیقت میں بے نظیر ھے :

اے تسلی ترا دل چھین لیا ھے کس نے
ھاتھ سینے پہ دھرے گور میں کیوں جاتی ھے

تصویر

تصویر ، صاحب "گلستان بے خزاں" نے کچھ قابلِ درجِ تذکرہ اس کی کیفیت نہیں لکھی ، مگر یہ دو شعر اس کے تحریر ہیں ، اچھے ھیں بلکہ بے نظیر ھیں :

چل ھوا کھا ، نہ صبا اس دل دلگیر کو چھیڑ
کیا مزا پائے گی تو غنچۂ تصویر کو چھیڑ
محبت اب تلک رکھتی ھے یہ تاثیر مجنوں کی
کہ بن لیلی نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

حرف الثاء

ثنا

ثنا تخلص ، آگرہ کی رھنے والی، فکر سخن نہایت عالی ۔ ہر چند کلام اُس کا تلاش کیا الاّ سوائے اس ایک شعر کے اور میسر نہ آیا ، و ھو ھذا :

زاھدو توبہ کی جلدی کیا ھے
یہ بھی کر لیں گے جو فرصت ہوگی

ثریّا

ثریّا تخلص، بڑی بیگم نام ۔ زوجہ مرزا علی خاں مرحوم : وظیفہ خواران شاہِ دھلی سے تھی ۔ عرصہ پچیس سال کا ھوا کہ اُس کا وصال ھوا ۔ یہ عورت بیوہ تھی ، کچھ بادشاہ کی دست عنایت سے فیض یاب رھتی تھی ۔ بعد غدر محتاج ھو کر کسی اپنے عزیز کے پاس آگرے چلی گئی ، بعد چندے مر گئی ۔ نہایت خوش فکر تھی ، اپنے شوھر کی حیات میں ریختہ گوئی سے بھی شوق رھا ، بعد انتقال شوھر کچھ بھی نہ ذوق رھا ۔ یہ دو شعر اُس کے سنے تھے ، سو درج کیے جاتے ھیں :

جتا دیں ہم تمہاری کاکل شب گوں کو کیا سمجھے
سیہ بختی ہم اپنی یا اسے کالی بلا سمجھے
جدھر دیکھا اٹھا کر نیم بسمل کر دیا اس کو
تری مژگاں کو ہم سوفار پیکانِ قضا سمجھے

حرف الجیم

جانی

جانی تخلص، نام بیگم جان، مخاطب بہ نواب بیگم و بہو بیگم، بنت نواب فخرالدین خاں کہ نسبت زوجیت آصف الدولہ بہادر سے رکھتی تھی - نقل ہے کہ کثرت مرض میں ہمدم نام خواجہ سرا اُس کی عیادت کو آیا، بیگم نے بہ جواب عیادت یہ مطلع برجستہ فرمایا :

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسم ناتواں کی
رگ رگ میں نیش غم ہے کہیے کہاں کہاں کی

مختصر یہ کہ چند شعر اُس کے مرقوم ہیں :

نہیں ٹانکے مرے زخم جگر پر
یہ اُس کا خندۂ دنداں نما ہے

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی
کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہیں ہے

نہیں ٹلتی کسی عنواں سر سے
شب غم بھی کوئی کالی بلا ہے

دہاں پر تیرے تھا ہم کو توہم
یہ ہم کو آج ہی عقدہ کھلا ہے

بیاں میں کس سے کروں جا کے اب گلہ دل کا
یہ دل کا دل ہی میں ہوویگا فیصلہ دل کا

جہان

جہان تخلص ، شاہجہاں بیگم نام، اخبار ''اودھ پنچ'' مطبوعہ ۱۳- دسمبر ۱۸۸۱ء سے یہ اشعار تحریر ہیں ۔ مگر افسوس ، یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ کون برہم زنِ ہنگامۂ شاعری ہیں اور کس حزیرے[۱] کی یہ شاعرۂ بے نظیر ہیں ۔ کس نے ان کو الٹی پٹی پڑھائی ہے ، یہ شاعری ان کو کس نے سکھا[۱] ہے ۔ میری رائے میں ان کے دماغ میں فتور ہے ، جس نے ان کو فکر سالم اور ذہن سلیم سے دور کر دیا ہے ۔ علاج کرائیں تو بہتر ہے ، اچھی ہوں تو ہمارا ذمہ ۔ ناسخ کی غزل کے جواب میں یہ اشعار تحریر ہیں ، کل غزل کا لکھنا اوقات کا ضائع ہونا تصور کیا گیا :

مرا سینہ ہے گنجینہ متاعِ دردِ ہجراں کا
ستارہ اوج پر ہے طالعِ اندوہِ حرماں کا
ادا کیا شکر اے شیریں زباں ہو تیرے احساں کا
کفن غربت میں پہنایا ہمیں ریگ بیاباں کا
نہ گھر کا ہوں نہ در کا ہوں نہ ہوں کوہ و بیاباں کا
جنوں کا زور ہے سودائی ہوں زلف پریشاں کا
تلمذ ہے فلک سے اے جہاں مجھ کو تعجب کیا
کلام آسمانی نام ہو گر میرے دیواں کا

جعفری

جعفری تخلص ، یہ عورت نہایت نیک بخت ، پاکیزہ سرشت ، صاحب عصمت وحیا ، سوزوں طبع تھی ۔ زبان اردو میں گاہ مشق

۱- حظیرہ (؟)

سخن کیا کرتی تھی - بہ اجازت اکبر شاہ ثانی بنا بر اصلاح اشعار اپنے شاہ نصیر صاحب مغفور کے رو برو بھیجا کرتی تھی - یہ اشعار اُس کے زبان زد خاص و عام تھے ، درج تذکرہ ہوتے ہیں - سوا ان کے اور کچھ کلام اُس کا میسر نہ آیا ، اس لیے انھیں پر اختصار کیا :

ساقیا مجھ کو ترا ساغر پلانا یاد ہے
کلمۂ لاتقنطو سے دل چھکانا یاد ہے
جعفری کو ہے وسیلہ چاردہ معصوم کا
مرشدِ کامل کا بھی تجھ کو جتانا یاد ہے

تصور اس صنم کا دل میں لائے جس کا جی چاہے
ہماری بات سن کر آزمائے جس کا جی چاہے
محبت کے محل میں عاشق جاں باز رہتا ہے
نہیں خالہ کا گھر اس میں جو آئے جس کا جی چاہے
کہا منصور نے سولی پہ چڑھ کر عشق بازوں سے
یہ اُس کے بام کا زینہ ہے آئے جس کا جی چاہے
غرور حسن پر ہم سے وہ نا حق جھانج کرتا ہے
یہ نوبت چند روزہ ہے بجائے جس کا جی چاہے

جینا

جینا تخلص ، جینا بیگم نام ، بنت مرزا بابر - محل خاص میرزا جہاں دار شاہ - مرزا رفیع السودا کی شاگرد تھی - یہ اشعار اُس کے ہیں -

یہ کس کے آتش غم نے جگر جلایا ہے
کہ تا فلک مرے شعلے نے سر اُٹھایا ہے

روٹھنے کا عبث بہانا تھا
مدعا تم کو یاں سے جانا تھا
یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا
دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا
آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسر
کیا جانیے کس ساعت بد آنکھ لگی تھی
نہ دل کو صبر نہ جی کو قرار رہتا ہے
تمہارے آنے کا دن رات انتظار رہتا ہے

جان

جان تخلص ، صاحب جان نام ۔ فرخ آباد کی پری چہرہ و نازک‌اندام ، حسن‌فروشان بازاری میں سے ہے ۔ دھلی میں بھی چندے اس کا قیام ہوا ، درج تذکرہ یہ اس کا کلام ہوا :

جان جاتی ہے دل ترستا ہے
اس میں آ جا کہ مینہ برستا ہے
حال جاں بازی کا میں کس سے کہوں
جس سے کہتی ہوں وہ ہی ہنستا ہے
جان و دل بیچتے ہیں ہم اپنا
ایک بوسے پہ لے لو سستا ہے

جمعیت

جمعیت ، شاید یہی تخلص اور یہی نام ہو ۔ یہ عورت کوئی عیسائی ہے ۔ میجر آرجسٹن صاحب بہادر سے اس کی شادی ہوئی

ہے - اس کی بیٹیاں بھی صاحبان عالی شان سے منسوب ، اس کے اشعار آگرہ کے مطربوں کو نہایت مرغوب - علم موسیقی میں بھی دست گاہ ہے ، آگرہ بالفعل قیام گاہ ہے - انگریزی اور فارسی میں بھی مداخلت ہے ، برج بھاکا میں ہوریاں دادرے کے بنانے سے بہت رغبت ہے - یہ شعر اس کے درج ہیں :

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے
اس واسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے
مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احسان
رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے
خدا کے روبرو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے
کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

جمالی

جمالی ، دختر مولانا بدرالدین ہلالی - پاکیزہ کلام ، عادات حمیدہ ، مضامین پسندیدہ و بلاغت التیام - یہ غزل اس کی ہے :

بہار و سبزۂ و گل خوش بروے جاناںست
وگرنہ هر یک ازاں جملہ آفت جانست
بہ غنچہ مہر چہ بندد ز گل چہ بکشاید
ولیکہ خوں شدہ از خار خار هجرانست
مراں بخوارم اے باغباں ز مجلس خویش
کہ پنج روز دگر گل بہ خاک یکسانست
حدیث زلف دلاویز اے نگار امشب
ز من مپرس کہ بس خاطرم پریشانست
بگوی شعر جمالی کہ نزد سیم براں
هزار بیت و غزل پیش حبہ یکسانست

جمیلہ

جمیلہ ، یہ ایک خاندانی پٹھانی بیوہ تھی - حبیب اللہ ترک سے متاع (متعہ) اس نے کر لیا تھا :

جز خار غم نرست زگلزار بخت ما
آں ہم خلید در جگر لخت لخت ما

جہاں آرا

جہاں آرا بنت کلاں شاہ جہاں بادشاہ ، همشیرہ اورنگ زیب عالم گیر شاہ دھلی سے ھے - ۱۰۹۲ھ میں فردوس میں گھر بنایا ، شعراء نے بہت اس کے دست کرم سے فیض پایا - نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں اس کا مزار ھے ، یہ شعر اس کا جو اس کی قبر پر کندہ ھے ، حوالۂ خامۂ مشک‌بار ھے :

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ھمیں گیاہ بس است

جہان خاتون

جہان خاتون ، یہ عورت فن کلام میں یگانہ تھی ، سلمان و عبید وغیرہ شعراء کی ہم زمانہ تھی - عبید ذاکانی پر اس بلیغہ نے بحث سخن میں اپنے عقد سے ایک روز پہلے غلبہ پایا تھا ، عبید کو اپنا عاشق بنایا تھا - اس کے ملنے کو عبید اگلے روز گھر پر گیا

تو معلوم ہوا کہ خواجہ قوام الدین امین الدولہ وزیر ابو اسحاق سے اس نے عقد کر لیا ۔ اس نے فوراً ایک قطعہ جس کا ایک مصرعہ آخر یہ ہے : ع

خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

لکھ بھیجا ۔ وزیر قدردان نے بعدِ دریافتِ حقیقت اسے بلوایا اور اپنی صحبت میں ممتاز فرمایا ۔ عبید کا یہ شعر اس کی صفت میں ہے : شعر

چوں غزل ھائے جہاں خاتوں بہ هندستاں فتد
روح خسرو هم حسن گوید کہ ویں کس گفتہ است

کہتے ہیں کہ خواجہ شمس الدین حافظ شیراز نے ہنگام ملاقات اس کو ایک غزل اپنی جس کا یہ شعر ہے ، سنائی : شعر

اعتمادے نیست بر کار جہاں
بلکہ بر گردون گرداں نیز هم

خاتون نے اپنے نام کی وجہ سے اس کے مضمون کو اپنی ہجو سمجھ کر جواب دیا : شعر

حافظا ایں مے پرستی تا بکے
مے ز تو بیزار و مستاں نیز هم

المختصر یہ ایک شعر اس کا جو میسر آیا ، درج تذکرہ ہوا :

مصوریست کہ صورت ز آب می سازد
ز ذرہ ذرۂ خاک آفتاب می سازد

چندا رنڈی

چندا رنڈی ، سب سے پہلی صاحب دیوان ، حیدر آباد دکن کی رہنے والی ۔ ماہ لقا بھی اس کا نام تھا ، متمولی کی وجہ سے بہت کچھ احتشام تھا ۔ پانسو سپاہی اس کے نمک خوار تھے ، ان میں

سے کچھ پیدل تھے کچھ سوار تھے ۔ شاعروں کو صلہ بھی دیتی تھی ، پہلوان ایسی تھی کہ نامی پہلوانوں سے طاقت کی داد لیتی تھی ۔ تیر انداز ایسی کہ کبھی اس کے تیر کا نشانہ خطا نہ کرتا تھا ، سوار ایسی کہ اُس کے ساتھ اچھے شہ سواروں کا آسن جا نہ کرتا تھا ۔ شیر محمد خاں متخلص بہ ایمان کی شاگرد رشید تھی ، ایسی شاعرہ اُس وقت میں دید تھی نہ شنید تھی ۔ ارسطو جاہ صوبہ دار صوبہ دکن کے وقت میں کہ عالم گیر ثانی کا زمانہ تھا ، اس حسن و کمالات کا سب کی زبان پر فسانہ تھا ۔ صاحب 'طبقات‌الشعرا' نے لکھا ہے کہ ۱۷۹۹ء میں اس نے اپنا دیوان کسی جلسے میں ایک انگریز جلیل القدر کی نذر کیا تھا ۔ وہ دیوان اب کتب خانہ قیصری میں موجود ہے مگر کلام اُس کا مفقود ہے ۔ یہ شعر ہاتھ آیا ہے جس کی ردیف نے تو ہم کو خوب ہنسایا ہے ۔

اخلاق سے تو اپنے واقف جہان ہیگا
پر آپ کو غلط کچھ اب تک گمان ہیگا

چھوٹی صاحب

چھوٹی صاحب ۔ یہ عورت حسن فروشان بازاری میں سے لکھنؤ کی رہنے والی ہے ، اب ریاست الور میں اس نے بنیاد اقامت ڈالی ہے ۔ سنا ہے کہ دربار کی نوکر ہے ، خانساماں خدمت گاروں کے پڑھنے کے لیے کلام اس کا بہتر ہے ۔

یار میرے ہاتھ آیا اس قدر چالاک ہے
جس کی چالاکی کے آگے برق بھی غمناک ہے

حرف الحاء

حیدری

حیدری تخلص ، حیدری خانم نام ، صاحب عصمت ، نیک سیرت، زوجہ بشارت اللہ بیگ خواص شاہ دہلی مرحوم ۔ عمر اس کی قریب ہفتاد سال کی ہوئی ، قبل مفسدہ رحلت کرگئی ۔ ایک مقطع سنا تھا سو درج ہوتا ہے :

حیدری نام ہے تیرا کیا خوب
جو کہ تجھ سے پھرا حیدر سے پھرا

حیا

حیا تخلص ، حیات النسا نام ، بنت کوچک نواب مرزا تقی خانصاحب ہوس ، جن کی بڑی بیٹی پارسا کا حال بردیف باہ تحریر ہو چکا ہے ۔ یہ چھوٹی بیٹی اُن کی فصیح اور نازک خیال تھی ، طرز بندش مضامین میں کمال تھی ۔ یہ اشعار حیاے شیریں گفتار کے زیب تذکرہ ہیں :

ہے موتیوں کے ہار میں پرتو نگار کا
آب گُہر میں عکس نہاتا ہے یار کا

دل میں اک بوند تو رہنے دے لہو کی میرے
چشم خونبار ترے ہاتھ سے دم ناک میں ہے

بن گئی کان کی بالی تلک آن کے بجلی
گرمیِ حسن غضب روے غضب ناک میں ہے
نہ سنیے گا کبھی بھولے سے بھی قصہ محبت کا
اڑا دیتی ہے نیند الٹا اثر ہے اس کہانی کا
آج صیاد ستم پیشہ نے کیا گل کترے
دور لے جا کے چمن سے پرِ بلبل کترے
دل میرا لیا صاف چرا تیری نگہ نے
اس بات کی شاهد تری دزدیدہ نگاہ ہے

حجابی

حجابی ، دختر خواجه هادی متوطن استر آباد ، حسن و جمال میں بے مثال ، شاعری میں اُستاد ۔ فرط حیا و عصمت سے ایک نقاب چہرے کے آگے رکھنا اُس کا دستور تھا ، اس سبب سے حجابی تخلص اور نام بھی مشہور تھا ۔ فارسی کلام سے زیادہ رغبت ، اُردو سے کسی قدر نفرت ۔ یہ مطلع اس کا شمع بزم ارباب سخن ہے :

مہ جمالِ تو و آفتاب هر دو یکے است
خطِ عذارِ تو و مشک ناب هر دو یکے ست

حیات

حیات تخلص ، نواب حیات النساء بیگم نام ، زوجۂ ثانی جہانگیر بادشاہ ۔ یہ شاعرہ خوش فکر ، نازک خیال ، شیریں مقال تھی ۔

علوم فارسی و عربی میں ذی استعداد اور صاحب کمال تھی۔ شوخ طبیعت، ظریف خلقت تھی، اس پر نہایت صاحب حیا اور عفت تھی۔ یہ اشعار اُس کے ہیں :

چه سازم طوفِ دیر و کعبه و بت خانه و مسجد
بگرد چشم و ابرویت دلم هر بار می‌گردد

بیا زاهد که جام بادهٔ گلگون بنوشانم
مرو در کعبه کانجا نیست جز خون جگر خوردن

حیات

حیات، ظریف بذلہ سنج۔ خواجہ قوام الدین شوہر جہاں خاتون کی منکوحۂ اولین۔ دوسرے نکاح کی خبر سن کر اس نے اپنے خاوند کو یہ شعر لکھ بھیجا تھا :

هر که غم جهان خورد کے خورد از حیات بر
رو تو غمِ جهان مخور تا زحیات بر خوری

حیاتی

حیاتی تخلص۔ یہ عورت ہرات کی رہنے والی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ حال اس کا نہ واضح ہوا۔ یہ اُس کا کلام ہے :

عجب شیریں لبے لیلیٰ عذارے کردہ ام پیدا
دریں ایام خوش حالم کہ یارے کردہ ام پیدا

بیاد لعل شیریں می کنم چوں کوہ کن جانے
چو فرہاد از برائے خویش کارے کردہ ام پیدا
ز پا افتادم از اندوہ ہجراں چوں کنم یا رب
کہ ایں اندوہ از دست نگارے کردہ ام پیدا
چوں مجنوں می نہم رو برکفِ پائے سگِ کویش
منِ دیوانہ نیکو غم گسارے کردہ ام پیدا
یک دم صرف راہ آں بت بیگانہ‌وش کرم
حیاتے آنچہ من در روزگارے کردہ ام پیدا

حاتم

حاتم تخلص، کوئی پردہ نشین حیادار ہے، دہلی کی رہنے والی، جس کے اثر حیا سے سکوت میں لب اظہار ہے۔

مجھ کو کدورتوں سے ملاؤ گی خاک میں
کہہ دیجیے جو آپ کے دل میں غبار ہو
دشمن کا شکوہ تم نہیں سنتی نہیں سہی
میرا ہی غم سنو نہ اگر ناگوار ہو

حجاب

حجاب تخلص، نام عسکری بیگم، لکھنؤ کی رہنے والی، ملا محمد زمان اصفہانی کی پوتی، محمد علی خان مسیحا کی شاگرد تھی۔ کبھی اپنے مکان پر بزم مشاعرہ گرم رکھتی تھی مگر خود غزلہ

پڑھنے سے شرم رکھتی تھی ۔ اب کسی خوش نصیب کے عقد میں ہے ، الاٰ مشق کلام چلی جاتی ہے ، دیکھیے اس شعر میں نیا مضمون مناتی ہے :

رات کو آئیں گے ہم صاف معما یہ ہے
وعدۂ وصل کیا اس نے دکھا کر گیسو

حجاب

حجاب، یہ شاعرہ کشمیرن ہے ۔ بمبئی میں کسی سے اس نے عقد کر لیا ہے ۔ یہ ایک شعر اس کا ہاتھ آیا سو لکھا ہے :

کیا جانے بھلا لذت دیدار کو اپنے
جب تک کوئی بادیدۂ خونبار نہ ہووے

حجاب

حجاب تخلص، نواب بیگم نام ، نازک خیال ، شیریں کلام ، عرف چھوٹی بیگم دختر داروغہ اعظم علی خاں ابن نواب معتمد الدولہ بہادر برادر نواب غازی‌الدین حیدر والیِ اودھ ۔ یہ شاعرہ ۱۲۵۹ ہجری میں پیدا ہوئی ۔ دروغ بر گردن راوی ، چمن انداز والا لکھتا ہے کہ اس کا دیوان چھپ گیا ہے ، القصہ یہ مطلع اس کا ہے ۔

بن کے تصویر حجاب اس کو سراپا دیکھو
منہ سے بولو نہ کچھ آنکھوں سے تماشا دیکھو

حسن

حسن تخلص، وزیر جان نام، بنت گوہر جان، پاٹہ نالہ لکھنؤ، اور کچھ حال معلوم نہیں۔ یہ غزل اُس کی درج تذکرہ ہوتی ہے:

اے زلیخا ناز تجھ کو حسن یوسف پر ہوا
دیکھ دلبر کو مرے جو نفس پیغمبر ہوا

بوسۂ ابرو اگر مانگا خفا دلبر ہوا
شکلِ ماہِ نو خمیدہ وہ مہِ انور ہوا

پہلے وہ چشم عنایت اب یہ آئیں کیوں حضور
وہ ستم کیوں کر سہے جو لطف کا خوگر ہوا

نالۂ سوزاں جو کھینچے رو کے میں نے ہجر میں
رشک سے بجلی جلی شرمندہ ابرِ تر ہوا

وہ مریض غم ہوں میں جس کو دوا آئی نہ راس
سر پہ جب صندل لگایا اور دردِ سر ہوا

وصل کی شب بھی نہ باز آیا شرارت سے وہ شوخ
مسکرا کر پھیر لی کروٹ ستم ہم پر ہوا

خلد میں لوٹے گا بے شبہ وہ حوروں کے مزے
حسن دنیا میں جو مستِ بادۂ کوثر ہوا

حجاب

حجاب تخلص، منی بائی نام، کلکتے کی رہنے والی ہیں۔ گو ہماری دیکھی بھالی نہیں مگر طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

طبیعت کی عالی ہیں ۔ منشی شوکت صاحب سے کچھ مشق سخن بڑھائی ہے ، پانچ برس سے شاعری پر طبیعت آئی ہے ۔ ایک چھوٹا سا دیوان بھی ترتیب دیا ہے ، اپنے عاشقوں کی یاد گاری کے لیے ابھی سے سامان کیا ہے ۔ سنا ہے کہ علم موسیقی میں مہارت کامل ہے ، شعر گوئی کا بھی مذاق حاصل ہے ۔ سلامتی سے عمر میں ابھی انیسویں سال کی گرہ پڑی ہے ، شاعری کے رستے میں قدم تو رکھا ہے مگر سنبھل کر چلیں ، یہ منزل کڑی ہے ۔ پہلے ہم سے گداختہ دلوں سے اپنا دل لگائیں ، معشوق کو بالائے طاق رکھیں ، عاشق بن جائیں ۔ آج کل کی شاعرہ سے اب بھی بہتر ہیں ، مشتری اور زہرہ کی ہمسر ہیں ۔ دور دور کی سیر بھی کر چکی ہیں ، پیمانۂ لطف زندگی خوب بھر چکی ہیں ۔ ایک ہم سے ہی ملاقات ہونی باقی ہے ، یقین ہے کہ یہ آرزو بر آئے گی ، اگر سچی مشتاق ہے ۔ المختصر یہ منتخب اُن کے اشعار حوالۂ کلکِ ساحری کردار ہیں :

حالِ حجاب قابل شرح و بیاں نہیں
آنسو نہ ٹپکے سن کے یہ وہ داستاں نہیں

دل میں جگر میں سینے میں پہلو میں آنکھ میں
اے عشق تیری شعلہ فشانی کہاں نہیں

کرتے ہو قتل بوالہوسوں کو غضب ہے یہ
سمجھے ہو تم مگر کوئی عاشق یہاں نہیں

پوچھو نہ حال زار مرا تم سے کیا کہوں
گم کردہ راہِ باغ ہوں یاد آشیاں نہیں

ہم بھی خرید لیتے ترے ظلم کے لیے
بازار دہر میں کوئی دل کی دکاں نہیں

دیتے ہیں چھیڑ چھیڑ کے کیوں مجھ کو گالیاں
سمجھے ہوئے ہیں وہ مرے منہ میں زباں نہیں

وہ اور میرے گھر میں چلے آئیں خود بخود
سر پر مرے حجاب مگر آسماں نہیں

ہماری نعش کو ٹھوکر لگا کے اُس نے کہا
ہمارے آنے کا کیا خوب انتظار کیا

برا کیا جو کہا اُن سے مدعا دل کا
غضب کیا جو محبت کو آشکار کیا

ہجو مے اور میرے آگے واہ رے لطف بیاں
حضرت واعظ اتر آئیں ذرا ممبر سے آپ

بہار آئی ہے سامان چمن بندی ہے گلشن میں
شفق پھولی ہے عکس گل سے نظارے کے دامن میں

مرگ دشمن کا سوگ اُس نے رکھا
میں پشیماں ہوں خود دعا کر کے

ان روزوں اُن کو اور کسی کا خیال ہے
ورنہ عدو کو اور مجھے کیوں ملال ہے

جب سے سنا ہے ایک وفات و وصال ہے
مرنے کی وہ خوشی ہے کہ جینا محال ہے

چھپتا نہیں ہے لاکھ طرح سے چھپائیں وہ
مضمونِ وصلِ عید بھی عاشق کا حال ہے

ذکر عدو نہ کرتے ، نہ ہوتے وہ آب آب
مجھ کو حجاب اُن سے بڑا انفعال ہے

حضرت ناصح نہ بک بک کر پھرائیں سر مرا
قبلۂ من ! چپ ہی رہیے بس نصیحت ہو چکی

حشمت

حشمت تخلص، نام مہر جان' عاشقوں سے لڑتے وقت دانا، صلح کے وقت نادان۔ سید احمد نکہت تخلص دہلوی کی شاگرد ہے۔ یہ شعر اُس کا ردّیات ''چمن انداز'' سے تحریر ہوا:

منہ کہیں پھرتا ہے اے قاتل تری تلوار کا
خون یہ چاٹے نہ جب تک بے گنہ دو چار کا

حور

حور تخلص، منا جان نام، گل چہرہ و گل اندام، شاگرد محمد رضا صاحب متخلص بہ طور۔ یہ عورت کوئی حاجت روایانِ بازاری لکھنؤ سے ہے:

جو پہنا پاؤں میں سونے کا توڑا اے پری تو نے
مسلسل پائے دیوانہ ہوا زنجیر آہن سے

بدی کی جس نے ہم سے ہم نے اُس کے ساتھ نیکی کی
ہماری خو ہے یہ ہم دوستی کرتے ہیں دشمن سے

حیا

حیا تخلص، حیات النساء بیگم نام، بھورا بیگم بھی اُس کو کہتے تھے۔ شاگرد شاہ نصیر صاحب مرحوم دہلوی۔ یہ شاعرہ شاہ عالم

ثانی کی بیٹی تھی ۔ قبل شورش بحالت ناکت خدائی رحلت کر گئی ۔ یہ شعر اُس کا ہے :

نہ کیوں حیرت ہو یا رب وہ زمانہ آ گیا ناقص
حیا ڈھونڈے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس

حرف الخاء

خفی

خفی تخلص ، زبان انگریزی میں مسی لقب اُس کا مشہور عام ہے ، ھندوستانی زبان میں بادشاہ بیگم نام ہے ۔ خانگی پیشہ ہے ، معاش سے دنیا میں اور عقوبات سے عقبیٰ میں بے اندیشہ ہے ۔ بلیک صاحب بہادر انگریز کے نطفے سے ، یوسف سادہ کار کشمیری کی نواسی ۔ دھلی کی رہنے والی ، نظر بازوں کی دیکھی بھالی ۔ یوسفہ کشمیری کی وجہ سے اُس گھر کی کل مستورات یوسف والیاں مشہور ھیں ، صورت میں جیسی ھیں زبان زد جمہور ھیں ۔ طبع موزوں اس شاعرہ کی ریختہ گوئی پر مائل ہے ، شعرگوئی کا بخوبی کمال حاصل ہے ۔ دو تین شعر اس سراپا ناز کے زیب صفحۂ بہارستان ناز ھیں ، شعر کیا ھیں خوش آھنگ ساز ھیں :

جن سے ہم آشنائی کرتے ھیں
ہم سے وہ بےوفائی کرتے ھیں
اے خفی اپنے اشک بے تاثیر
مفت میں جگ ھنسائی کرتے ھیں

خود شوق اسیری سے پھنسے دام میں صیاد !
شرمندہ ترے ایک بھی دانے کے نہیں ہم

خان زادی

خانزادی ، ہم نام وہم تخلص ، متوطن تبریز ، دختر امیر یادگار ، نازک مزاج اور نازک خیالی میں یادگار ۔ خوش فکر و خوش گو ، خوش پسند و خوش شنو ۔ یہ ایک مطلع رنگین اس کا آویزۂ گوشِ اربابِ گوشِ ہوش ہے :

شبے در منزل ما میہماں خواہی شدن یا نے
انیسِ خاطرِ ایں ناتواں خواہی شدن یا نے

خاکساری

خاکساری ، یہ عورت کوئی پردہ نشین کشمیری دروازے دھلی میں رہتی ہے ۔ یہ شعر اس کا درج ہے :

لکھا نصیب کا کوئی مٹا نہیں سکتا
کسی کے درد کو ہم دم بٹا نہیں سکتا

خورشید

خورشید تخلص ، نام معلوم نہیں ۔ دھلی کی باشندہ کوئی سید زادی ہے ۔ سنا ہے کہ مرثیہ خوب پڑھتی ہے ، یہ شعر اس کا ہے :

اے جذبۂ دل کیوں کہ اجازت دوں میں تجھ کو
ہے سخت کشش تیری وہ ایسا نہ ہو ڈر جائے

حرف الدال مہملہ

دلہن

دلہن تخلص ، دلہن بیگم نام ، معروف بہ نواب بیگم و نواب بہو ، صبیۂ نواب انتظام الدولہ ، محل نواب آصف الدولہ ۔ سیرت اور صورت کے اوصاف کے سوا عروض میں دست گاہ کامل رکھتی تھی ۔ یہ اشعار اُس کے یادگار ہیں :

ایسے کم ظرف نہیں ہم جو بھکتے جاویں
گل کی مانند جدھر جاویں مہکتے جاویں

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا
تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

بیاں میں کس سے کروں جا کے اب گلہ دل کا
یہ دل کا دل ہی میں ہووے گا فیصلہ دل کا

مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیر فلک
خانۂ دل جو گرا ہو اُسے تعمیر کرو

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں
مثال لالہ کے دل داغ دار رکھتے ہیں

دوستی

دوستی تخلص ، لسائی نام : سبزوار کی رہنے والی ، اس کے باپ کا نام میر قیام ۔ یہ اشعار اُس کے درج ہیں :

ہر کجا آں مہ بہاں زلف پریشاں بگزرد
ہر کہ کفر زلف او بیند ز ایماں بگزرد

اے محبّاں بوالعجب دردیست درد عاشقی
ہر کہ دامن گیرد ایں دردش ز درماں بگزرد

ہر کہ عاشق شد ازو دیگر سر و ساماں مجو
زانکہ عاشق ترک سر گوید ز ساماں بگزرد

در فراقش دوستی گرید چو ابر نو بہار
گریۂ زارش چو بیند یار گریاں بگزرد

ز آشنائی تو عاقبت جدائی بود
فغاں کہ با تو مرا ایں چہ آشنائی بود

دلبر

دلبر تخلص ، چھوٹی بیگم نام ، اکبر آباد یا حیدر آباد ، غرض اس کا مشتبہ مقام ۔ سوائے اس کے کہ یہ رنڈی ہے اور کچھ اس کا حال معلوم نہ ہوا ۔ یہ اس کا کلام ہے :

ہر روز جو تم اٹھ کے تیوری ہو بدلتے
بے جا تو ہمیں ناز اٹھانا نہیں آتا

قسمت میں ہماری نہ ہوا ہائے صد افسوس
اک روز لپٹ کر شب مہتاب میں سونا

جو اک دن آپ پھر تشریف لائیں
رقیبوں کے گلے تم سے کہوں سب

دل ہمیں دو چار دن گر اپنا دو تم مستعار
اس کو سکھلائیں وفا ایسی کہ ہووے بیقرار

ہے چوکھٹ آپ کی اور سر ہمارا
قیامت تک یہیں ٹکرائیں گے ہم
رات کو گاہ گاہ آتے ہو
اپنی کشتہ کو آ جلاتے ہو

دولت

دولت ، یہ ہے تخلص اور یہی نام ۔ سمرقند کی رہنے والی ہے ، نابینا فاضلہ گزری ہے ۔ نقل ہے کہ امیر تیمور جب وارد سمرقند ہوا ، سپاہیوں نے لوٹ کا اسباب اس نابینا کے سر پر رکھا اور بحضور شاہ حاضر لائے ۔ بادشاہ نے نام دریافت کیا تو عرض کیا کہ ''دولت'' ۔ حضور نے فرمایا کہ دولت اندھی بھی ہوتی ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ اگر اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے گھر کیوں آتی اور یہ شعر پڑھا ۔ اس کے سوا اور کلام اس کا میسر نہ ہوا :

آتش در شہر سمرقند باد
ویں تمرلنگ چو اسپند باد

حرف الذال

ذلیل

ذلیل تخلص۔ یہ عورت کنیزان مرزا سلیمان شکوہ بہادر
سے تھی:

میں فرشتے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہے
اپنی کرتوت پہ جس وقت میں آ جاتی ہوں
تم سے اللہ رکھے اپنی اماں میں، تم تو
ہم سی پریوں کو بھی دیوانہ بنا دیتے ہو

حرف الراء مہملہ

رعنائی

رعنائی تخلص ، نام قدسیہ بیگم تھا - نہایت حسن دوست - اگرچہ علم اس کو کم تھا الاّ دل گداختہ کے باعث اشعار پُر درد کہا کرتی تھی ، ہمیشہ فکر سخن میں رہا کرتی تھی - یہ مطلع اُس آفتاب آسمان نکوئی کا تحریر ہے :

میں جاتی تھی آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا
کم بخت کیسی آنکھ لگی اور دکھ ہوا

راویہ

راویہ ، یہ شاعرہ رنگیں کلام ہے ، دھلی کے اُس محلے کی رھنے والی ہے جس کا نام بازار سیتا رام ہے - کسی چھیپی کی دختر ہے ، سخن وری میں نہ بدتر ہے نہ بہتر ہے - اس کا کلام رنگین بھی چھپنے کے لائق ہے ، سو تحریر ہے :

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا
دل عشق کے صدموں سے خبردار نہ ہوتا
دے اپنی محبت مجھے اے بار خدایا
کر دور دل زار کا آزار خدایا
الٰہی سب گنہ سے پاک کر کر
مجھے لے جائیو جنت کے در پر

حرف الزاء

زہرہ

زہرہ تخلص، اسراؤ جان نام، بی چھٹن صاحبہ مشہور: شعر گوئی میں مشاق، شوخ طبعی میں شہرہ دور دور۔ میر آغا علی شمس کی شاگرد ہیں اور انھوں نے ہی بتایا ہے۔ میر جی کا شہرہ اظہر من الشمس ہے، زہرہ کی زبان کو انھوں نے ہی چمکایا ہے۔ شاگرد اگر اچھا ہو تو فخر استاد ہے، زہرہ کی بدولت میاں شمس کی ہر دم سب کو یاد ہے۔ اب بی مشتری کی تحریر سے معلوم ہوا کہ پانچ برس سے اس شاعرہ نے کسی رئیس عالی خاندان سے عقد کر لیا، اپنا دامن تر گوہر ہائے توبہ و استغفار سے بھر لیا۔ شعر گوئی کو بھی ترک کر دیا، دیکھیے اچھوں کی صحبت نے اچھا ہی اثر دیا۔ خدا کرے چیچک کی عادت نہ اختیار کرے، ہمیشہ کے لیے پردہ نشینی ہی اپنا شعار کرے۔ القصہ یہ کلام اس رونق بزم سخن کا حوالۂ خامۂ سحر ساز ہے:

کس کی آنکھوں میں تجلیِ رخِ یار نہیں
کون موسیٰ کی طرح طالب دیدار نہیں

نہیں جاتی نہیں جاتی یہ تمھاری عادت
ہاں جو اک بار زباں پر ہے تو سو بار نہیں

ہے عجب گرمیِ بازار سرے یوسف کی
مشتری چرخ پہ زہرہ کی خریدار نہیں

مرا درد دل یار نے کھو دیا
ہوا آدمی کی دوا آدمی
یہ تقدیر کی خوبیاں دیکھیے
ملا بھی تو اک بے وفا آدمی
اے بت تجھے دکھا کے خدا سے کہوں گا میں
ایمان اپنا کھویا ہے ہم نے اسی کے ساتھ
عالم مرے نبیؐ کا نہ ہو زھرہ کیوں مطیع
خلق محمدیؐ بھی ہے پیغمبری کے ساتھ[۱]
حیا سے نہیں وہ جو آنے کے قابل
تو ہم خوف سے کب ہیں جانے کے قابل
نہ کہہ زھرہ اس کی غزل پر غزل تو
کہ سوزاں نہیں منہ لگانے کے قابل
سو بوسے گر دیے ہیں تو دس اور دیجیے
تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے
دیوانہ ہو جو کوئی مرے حسن پری پر
نا جنس سے دل اپنا لگایا نہیں جاتا
میں بندۂ نا چیز وہ ہیں حسن کے سلطاں
زھرہ انھیں گھر اپنے بلایا نہیں جاتا

زینت

زینت تخلص، زینت جان نام - یہ عورت شاھدان بازاری دھلی سے مقبول تھی، آشنائے مرزا ابراھیم بیگ مقتول تھی - بس کہ طبع

۱- یہ مقطع گواہِ استادیِ حضرتِ شمس ہے -

اس کی بہت رواں تھی ، بحر سخن میں ایک قیامت کیا بلکہ طوفانہ تھی - اپنے آشنا کے سہارے سے بحر سخن کی آشنا ہوئی ، چند سال گزرے کہ یہ قاتل مع مقتول کے دہلی سے لکھنؤ کی طرف سفر کر گئی ، یہ اس کے اشعار یادگار ہیں ، اب معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مر گئی :

شب مہتاب میں تا صبح زینت
خیالِ ماہ رو ہے اور ہم ہیں
قتل کا لطف اگر موت میں حاصل ہوتا
تو کوئی کاہے کو منت کشِ قاتل ہوتا
کوئی بندہ نہ کیا کرتا خدا سے فریاد
بت اگر داد رسی کے بھی جو قابل ہوتا

زایری

زایری ، نا معلوم الاسم و المسکن ، جس کے یہ اشعار ہیں ۔ دروغ بر گردن راوی :

خوردن خون دل از چشم تو آموختہ ام
خون دل خوردہ ام و ایں ہنر آموختہ ام
شیوۂ عاشقی و طرز نظر بازی را
ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام
ناصحا چند کنی منع من از عشق بتاں
صبح خیزی ز نسیم سحر آموختہ ام

زهرہ

زهرہ تخلص ، نام اس کا نصیبن ، علم موسیقی میں یہ عورت بہت ذی فن ۔ شاہ دھلی کی سرکار میں گائنوں میں نوکر تھی ، یعنی زهرۂ برام افروز شاہ ابوظفر تھی ۔ نہایت خوش‌گلو گائنوں میں مشہور چار سُو تھی ۔ جو القاب سرکار شاھی سے پایا تھا ، وہ ھی تخلص قرار دیا تھا ۔ یہ اشعار اُس کے حوالۂ خامۂ سحر ساز ھیں :

دل کہیں میں ہو تو کاھے کو کوئی بیتاب ہو
ساغر خوں کس لیے یہ دیدۂ پر آب ہو
باغ ہو ، آب رواں ہو اور شب مہتاب ہو
ساقیِ مہوش ہو ، مے ہو ، جلسۂ احباب ہو
بوسہ دیں گے نہ وہ تجھے زهرہ
منہ لگاتا ہے کون سائل کو

زهرہ

زهرہ ، انبالے کی رهنے والی ، نا معلوم الاسم ، حسن فروشان بازاری میں سے تھی ۔ بعد غدر آئی تھی ، وھاں کے کوچہ گردوں کی دیکھی بھالی ۔ یہ شعر اُس کے درج ھیں :

آؤ جی آؤ خدا کے واسطے
رحم فرماؤ خدا کے واسطے
زلفیں سلجھاؤ خدا کے واسطے
جی نہ اُلجھاؤ خدا کے واسطے

جان جاتی ہے تمھارے ہجر میں
اب لپٹ جاؤ خدا کے واسطے
غیر سے مل کر نہ چار آنکھیں کرو
کچھ تو شرماؤ خدا کے واسطے
کیوں ہو زہرہ سے خفا اے ماہ رو
کچھ تو بتلاؤ خدا کے واسطے

زہرہ

زہرہ تخلص، لطیفن نام، ساکن کرنال تھی - یہ عورت فارسی اور اُردو میں اپنے ہم جنسوں میں صاحب کمال تھی - مولوی ظہور علی ظہور مدرس اول فارسی اسکول ریواڑی کی صحبت سے شعر کہتی تھی - ۱۸۷۵ء میں مر گئی - یہ اُس کے اشعار ہیں:

دو پر تو کیا تھے ہوتے اگر دو ہزار پر
پروانہ کرتا شمع پہ سارے نثار پر
پاس ممسک کے دھرا ہے کیسۂ زر اس طرح
جس طرح پتھر دھرا ہووے کوئی پتھر کے پاس
نہ بزم میں کوئی دل سوز ہو اگر اپنا
جلے وہ بزم لگے ایسی انجمن میں آگ
غضب ہے طعن کیا آج اُس نے اے زہرہ
لگے الٰہی دل و جانِ طعنہ زن میں آگ!

حرف السین مہملہ

سید بیگم

سید بیگم ، تخلص معلوم نہیں ۔ یہ عورت نسل سادات جرجان سے تھی ۔ اس کے عروس طبع کو زیور تعریف و توصیف سے آراستہ کرنے کی حاجت نہیں ۔ یہ مطلع اس حور شمایل کا ہے :

مرا دردیست در دل بے قرار از ہجر یار خود
چہ گویم پیش بے درداں ز درد بے قرار خود

سلطان

سلطان تخلص ، سلطانی بیگم نام ، دختر نواب معتمد الدولہ بہادر لکھنوی ۔ یہ شاعرہ نہایت بلیغ اور دانا و ظریف مزاج تھی ۔ اس کے کلام سے بھی اس کے متانت برستی ہے ۔ یہ شعر اس کے لکھے جاتے ہیں :

کب تک یہ تیرے ہجر کے صدمے اٹھائے دل
ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل
قاتل نے کب کہا تھا کہ آنکھیں لڑائے دل
آخر یہ میری جان پہ آئی بلائے دل
تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا
ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کہہ کے ہائے دل

سینہ اگر ہے داغوں سے معمور کیا ہوا
خالی ہے تیرے واسطے عشرت سرائے دل
سلطان غزل اک اور بدل کر ردیف لکھ
پر شرط ہے کہ لفظ گل آئے بجائے دل

سردار

سردار تخلص ، سردار بیگم نام - بیوہ ، ساکن قدیم لکھنؤ ، حال میں بمقام اٹاوہ مقیم ہے - پہلے تو شین تھی ، اب میم ہے - یعنی شریف زادی تھی اور اب ------ ہے - نہ بےحجابی کا غم ہے ، نہ پردہ نشینی کی شادی ہے - کانپور اور قنوج میں عرصے تک قیام کیا - کاظمی بیگم اس کی بیٹی ناچتی گاتی ہے ، ساہی میں براتیں اور بے ساہی میں بے مغزوں کی چاند بجاتی ہے - یہ اشعار اس کے درج ہیں :

لگایا میں نے جو تم سے دل کو تمہارے دل پر نہاں نہ ہوگا
اٹھانے صدمے ہیں جتنے میں نے جہاں میں کس پر عیاں نہ ہوگا
لگایا گل سے جو دل کو تو نے سمجھ یہ دل میں تو اپنے بلبل
ہیں چند روزہ بہار کے دن ندیم و ہمدم وہاں نہ ہوگا
وہ تو ہمارا لے گئے بیٹھے بٹھائے دل
ہرگز نہ کوئی آپ سے اپنا پھنسائے دل
فریاد کر رہا ہوں میں گھڑیال کی طرح
یا رب وہ خود جلے جو ہمارا جلائے دل
بے جرم مجھ کو یار نے مارا ہے دوستو
اب دل ہی دل میں کہتا ہوں فریاد ہائے دل

سردار روز حشر کو اٹھ کر کہے گی یہ
عاشق کہاں ہے سنگ کا اپنا بنائے دل
دل میرا اٹھ گیا زمانے سے
موت آئے کسی بہانے سے
بیاں میں کیا کروں تم سے نہایت بے قراری ہے
پھنسا ہے دل مرا اس سے مجھے اب زیست بھاری ہے
فرشتے آ کے پوچھیں گے کہو سردار سوتی ہو
پڑھو کلمہ محمدؐ کا چلو اب فضل باری ہے
ہم تو عاشق اسی کے ہو بیٹھے
دل سے صبر و قرار کھو بیٹھے

سلطان

سلطان تخلص ، خدیجہ سلطان بیگم نام ، دختر عم قلی خان واله جادو کلام ۔ یہ اشعار اس کے زیب تذکرہ ہیں :

من ساقی ام و شراب حاضر
اے عاشق تشنہ ! آب حاضر
با حسن من آفتاب ہیچ است
اینک من و آفتاب حاضر
سلطان چو من نبود در دهر
عالم عالم کتاب حاضر

حرف الشین

شوخ

شوخ تخلص ، گنا بیگم نام ، زوجہ نواب عماد الملک غازی الدین خاں کہ نظام تخلص کرتے تھے ۔ نہایت حسین اور صاحب عصمت تھی ؛ ذہن رسا ، طبیعت میں بڑی جودت تھی ، اس پر پارسا اور صاحب عفت تھی ۔ نقل ہے کہ ایک روز نواب صاحب موصوف جو گلگشت کرتے ہوئے رونق افروز تختۂ گلزار ہمیشہ بہار ہوئے ، تو بیگم کو سیر چمن میں مصروف پایا ۔ اس وقت کا لطف دیکھ کر نواب کا دل خلوت کو چاہا بلکہ حرف مطلب بھی درمیان آیا ۔ بیگم نے کہا کہ آپ بارہ‌دری میں رونق افروز ہوں ، میں بھی حاضر ہوتی ہوں ۔ عرصے کے بعد بیگم نے جا کر چلمن دالان کی اٹھائی تو نواب کو خواب غفلت سے ہم آغوش پایا ۔ بیگم نے مراجعت کی ، پاؤں کی آواز سے نواب نے آنکھ کھول دی اور یہ مصرع برجستہ پڑھ سنایا : ع

آ کر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے

بیگم نے بجواب کہا کہ : ع

خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

غرضیکہ حاضر جواب اور موزوں کلام تھی ، میر قمرالدین منت کے تلمیذوں میں سے نیک نام تھی ۔ یہ چند شعر اس کے نتیجۂ خیال ہیں :

مقابل ہو اگر لب کے ترے مصری ، چبا جاؤں
 تری آنکھوں سے ہم چشمی کرے بادام ، کھا جاؤں

ترے رخ کی تجلی دیکھ کر کل رات حیرت سے
زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع روتی تھی

شب وصلِ عدو اے حسرتِ دل کیا کہوں تجھ سے
وہ دونوں واں پڑے سوتے تھے یاں تقدیر سوتی تھی

رقیبوں سے وہ جس دم ہنس رہے تھے رو برو میرے
سری ہر مژہ ، اے درد جگر موتی پروتی تھی

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسر
کیا جانیے کس ساعتِ بد آنکھ لگی تھی

لے آڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

نے نامہ و پیغام زبانی نہ نشانی
حالت سے کوئی کیوں کہ ہو آگاہ کسی سے

جھوٹ کہتا ہے تو قاصد بہ زبانی پیغام
مجھ کو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے

شرم

شرم تخلص ، نواب شمس النساء بیگم نام ، بنت حکیم قمرالدین صاحب ، شاگرد خواجہ وزیر لکھنوی ۔ مولد ان کا بنارس ہے ، مسکن لکھنؤ ہے ۔ صاحب عصمت و حیا ، نہایت عقیل اور ذہن ذکاء ہے ۔ عروض و قواف میں استعداد معقول ہے ، فن شاعری جیسا چاہیے حصول ہے ۔ یہ غزل تازہ اُن کی کہ درج و پنجابی اخبار ،

لاہور مطبوعہ ۲۵ - دسمبر ١٨٦٨ء تھی ، معہ کچھ کلام سابقہ کے ان کے دیوان سے منتخب ہو کر درج ہے :

پہلے ثابت کریں اس وحشی کی تقصیریں دو
پھر مجھے شوق سے پہنائیں وہ زنجیریں دو
ایک بوسہ لیا کس دن ہوئیں تقصیریں دو
کیوں مرے پاؤں میں پہناتے ہو زنجیریں دو
کہا قاصد نے کہ لایا ہوں میں پیغام وصال
آج خلعت مجھے پہناؤ کہ جاگیریں دو
دونوں زلفوں کا تری آیا جو وحشت میں خیال
پڑ گئیں پاؤں میں میرے وہیں زنجیریں دو
یا تو گھر اس کے میں جاؤں گا و یا آئے گا یار
وصل کے خواب کی بس ہیں یہی تعبیریں دو
منہ پہ منہ رکھنے کا اقرار ہے انکار کے ساتھ
ایک مضموں کی لکھیں یار نے تحریریں دو
مجھ کو حیران ترا اور تجھے حیران میرا
حق نے کیا خوب بنائی ہیں یہ تصویریں دو
اے مصور تجھے دوں گا میں بہت سا انعام
میری اور اس کی بہم کھینچ دے تصویریں دو
درد دل دور ہوا سینے کی سوزش بھی گئی
شربت وصل میں تیرے ہیں یہ تاثیریں دو
یا بہانے سے بلائیں آپ یا خط لکھیں
شرم کیا خوب یہ سوجھیں ہمیں تدبیریں دو
قدم چمن میں جو مجھ اشک‌بار کا پہنچا
تو مژدہ آمدِ فصلِ بہار کا پہنچا
پسِ فنا خطِ محبوب نامہ بر لایا
جواب نامہ کی جا نامہ یار کا پہنچا

جو تیری کاکل مشکیں کی بُو صبا لائی
دماغ عرش پہ اس خاکسار کا پہنچا
اُٹھا کے کوئی بٹھائے تو کوئی دم بیٹھوں
یہ حال ضعف سے اس جسم زار کا پہنچا
بن آئے غیر کے بگڑا وہ جان جاں ہم سے
دلا پیام عتاب اس نگار کا پہنچا
صدائے خندۂ گل تا قفس لگی آنے
چمن میں ایک جو نالہ ہزار کا پہنچا
پڑے جو عکس گلِ تر ہزار بل کھائے
کہ شاخ گل سے بھی نازک ہے یار کا پہنچا
مثال غنچہ تو کیوں دل گرفتہ ہے اے شرم
خوشی ہو خط ترے اب گل عذار کا پہنچا

شیریں

شیریں تخلص ، رضیہ سلطان بیگم نام ، بنت سلطان شمس الدین التمش جو خود بھی چند مدت تخت پر ۱۲۳۷ء میں بیٹھی ۔ معز الدین بہرام شاہ کے وقت میں لڑ کر قتل ہوئی ۔ حال مفصل تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف میں لکھا ہے ۔ یہ عورت بہت نازک اندام اور خوبصورت تھی ۔ علاوہ اس سب خوبی کے ایسی شجاع اور دلیر دیکھی نہ سنی ۔ اپنے بھائی سے تخت کو بزور چھینا اور فوج کشی کر کے بہت لڑائیاں لڑ کر فتح پائی اور تخت نشین ہوئی ۔ ان سب اوصاف کے علاوہ یہ اور خوبی تھی کہ صاحب خرد اور قابل تھی ۔ فن شاعری میں اپنے روبرو کسی شاعر تیز مقال کو

بہ دلایل قوی بولنے نہ دیتی تھی ۔ عروض و قوافی میں اس قدر مداخلت کہ شاعران با ہوش کا اس کے آگے قافیہ تنگ تھا ۔ فصیح اور بلیغ ایسی کہ فصیحان روزگار اس کے آگے منہ نہ کھولتے تھے ، بڑے بڑے چرب زبان اس کے آگے نہ بولتے تھے ۔ مقبرہ اس مرحومہ کا دھلی میں ترکمان دروازہ بلبلی خانہ کے قریب تھا ، مگر اب فقط چہار دیواری شکستہ اور درمیان میں چھوٹی سی قبر رہ گئی ہے ۔ یہ چند شعر فارسی اس جادو بیان کے تحریر ہوتے ہیں :

در دہان خود دارم عندلیب خوش الحان
پیش من سخن گویان زاغ در دہان دارند

رخشیدنِ نورِ رخِ خورشید جز ایں چہ
بسمل شدۂ تیغِ نگاہِ غضبِ ماست

از ماست کہ بر ماست چہ تقصیرِ دل زار
آں کشتۂ انداز غم بے سبب ماست

کنم بہ برکت پاہ چرخ تخت سلطانی
دہم بیال ھما خدمت مگس رانی

باز آ شیریں ! منہ در راہ اُلفت گام خویش
ہاں ولے نشنیدہ باشی قصۂ فرہاد را

شیریں

شیریں تخلص ، بیگا نام ۔ یہ عورت فرقۂ طوائفان لکھنؤ سے ہے ۔ اول اس نے مشق سخن میر مہدی صاحب سپہر شاگرد خواجہ وزیر صاحب ، بعدہ شیخ امداد علی صاحب بحر سے مشورہ کیا ۔ آن کی

مدد سے آشنائے بحرِ ذخارِ سخن ہوئی ۔ تھوڑے عرصے میں بڑی صاحب فن ہوئی ۔ اگرچہ اس کا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا ، مگر سنا ہے کہ صاحب دیوان ہے ، خوش فکر اور نکتہ دان ہے ۔ فارسی میں بھی دستگاہ ہے ۔ دو مطلع معہ چند اشعار غزل اردو اور باقی شعر متفرق فارسی منتخب لکھے جاتے ہیں :

سنتا ہے کون کس سے کہوں ماجرائے دل
بہتر یہ ہے٭ کہ کوئی نہ کسی سے لگائے دل

کیوں کر رہیں حواس جو قابو سے جائے دل
اے کاش موت آئے ، کسی پر نہ آئے دل

باتیں وہ دل فریب ادائیں وہ دل ربا
ایسی پری خصال پہ کیوں کر نہ آئے دل

کیوں کر اسے نکال کے سینے سے پھینک دیں
زلفوں میں پھر کسی کی نہ مجھ کو پھنسائے دل

الفت بھی چاہیے پہ ذرا دیکھ بھال کر
ہر شعلہ رو کو چاہے تو چولھے میں جائے دل

بے مہر و بے مروت و نا آشنا ہو تم
تم سے خدا نخواستہ کوئی لگائے دل

شیریں کا یہ کلام ہے ہر وقت ہر گھڑی
جس کو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

پری زادوں میں تم مشہور میں مشہور دیوانہ
اگر تم شمع محفل ہو تو یہ بندہ ہے پروانہ

گرا جو ہاتھ سے ساقی کے شیشہ ہو گیا ثابت
ہماری زندگانی کا ہوا لبریز پیمانہ

٭۔ مصرعے میں ''کہ'' زائد معلوم ہوتا ہے کیوں کہ موجودہ صورت میں مصرع ساقط الوزن ہے ۔ (مرتب)

بہ دلایل قوی بولنے نہ دیتی تھی ۔ عروض و قوافی میں اس قدر مداخلت کہ شاعران با ہوش کا اس کے آگے قافیہ تنگ تھا ۔ فصیح اور بلیغ ایسی کہ فصیحان روزگار اس کے آگے منہ نہ کھولتے تھے ، بڑے بڑے چرب زبان اس کے آگے نہ بولتے تھے ۔ مقبرہ اس مرحومہ کا دهلی میں ترکمان دروازہ بلبلی خانہ کے قریب تھا ، مگر اب فقط چہار دیواری شکستہ اور درمیان میں پھوٹی سی قبر رہ گئی ہے ۔ یہ چند شعر فارسی اس جادو بیان کے تحریر ہوتے ہیں :

در دہان خود دارم عندلیب خوش الحان
پیش من سخن گویان زاغ در دہان دارند

رخشیدنِ نورِ رخِ خورشید جز ایں چہ
بسمل شدۂ تیغِ نگاہِ غضبِ ماست

از ماست کہ بر ماست چہ تقصیر دل زار
آں کشتۂ انداز غم بے سبب ماست

کنم بہ برکت پاے چرخ تخت سلطانی
دہم بیال ہما خدمت مگس رانی

باز آ شیریں ! منہ در راہ اُلفت گام خویش
ہاں ولے نشنیدہ باشی قصۂ فرہاد را

شیریں

شیریں تخلص ، بیگا نام ۔ یہ عورت فرقۂ طوائفان لکھنؤ سے ہے ۔ اول اس نے مشق سخن میر مہدی صاحب سپہر شاگرد خواجہ وزیر صاحب ، بعدہ شیخ امداد علی صاحب بحر سے مشورہ کیا ۔ اُن کی

مدد سے آشنائے بحرِ ذخارِ سخن ہوئی ۔ تھوڑے عرصے میں بڑی صاحب فن ہوئی ۔ اگرچہ اس کا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا ، مگر سنا ہے کہ صاحب دیوان ہے ، خوش فکر اور نکتہ دان ہے ۔ فارسی میں بھی دستگاہ ہے ۔ دو مطلع معہ چند اشعار غزل آردو اور باقی شعر متفرق فارسی منتخب لکھے جاتے ہیں :

سنتا ہے کون کس سے کہوں ماجرائے دل
بہتر یہ ہے' کہ کوئی نہ کسی سے لگائے دل

کیوں کر رہیں حواس جو قابو سے جائے دل
اے کاش موت آئے ، کسی پر نہ آئے دل

بھائیں وہ دل فریب ادائیں وہ دل رہا
ایسی پری خصال پہ کیوں کر نہ آئے دل

کیوں کر اسے نکال کے سینے سے پھینک دیں
زلفوں میں پھر کسی کی نہ مجھ کو پھنسائے دل

اُلفت بھی چاہیے پہ ذرا دیکھ بھال کر
ہر شعلہ رو کو چاہے تو چولھے میں جائے دل

بے مہر و بے مروت و نا آشنا ہو تم
تم سے خدا نخواستہ کوئی لگائے دل

شیریں کا یہ کلام ہے ہر وقت ہر گھڑی
جس کو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

پری زادوں میں تم مشہور میں مشہور دیوانہ
اگر تم شمع محفل ہو تو یہ بندہ ہے پروانہ

گرا جو ہاتھ سے ساقی کے شیشہ ہوگیا ثابت
ہماری زندگانی کا ہوا لبریز پیمانہ

---

۱ ۔ مصرعے میں ''کہ'' زائد معلوم ہوتا ہے کیوں کہ موجودہ صورت میں مصرع ساقط الوزن (تب)

کہیں عشق حقیقی ہے کہیں عشق مجازی ہے
کوئی مسجد بناتا ہے کہیں بنتا ہے بت خانہ
نہیں مسند تو کیا پروا خدا پر اپنا تکیہ ہے
فقیری میں بھی اے شیریں مزاج اپنا ہے شاہانہ
اس نے جب مسی لگائی اور جوبن ہو گیا
برگ گل اعجاز لب سے برگ سوسن ہو گیا
لخت دل آئے شاخ مژگاں پر
نخل الفت کا یہ ثمر دیکھا
دھن یار کا بوسہ نہیں ملتا دل کو
چشمۂ آب بقا پر ہے سکندر بے تاب
دل میں جگہ بنائی ہے رہنے کی آپ نے
حیران ہوں مثل آئنہ آئے کدھر سے آپ
ہوئی ہے ہمیں زلف و ابرو کی الفت
مقدر میں تھی سانپ بچھو کی الفت
خدا جانے ہے دل میں کیا بدگمانی
مرے ہاتھ کا پان کھاتے نہیں ہو

فارسی ، منہ

زنیکاں مرا مشمار من آنم کہ من دانم
طریق حسن ظن بگزار من آنم کہ من دانم
اسیر نفس غدارم گنہگار و خطا وارم
نیم کاذب بدیں گفتار من آنم کہ من دانم
اگر خلقم کند تحسیں نگردم شاد اے شیریں
بخلوت خالی از اغیار من آنم کہ من دانم

شرارت

شرارت تخلص ، نام امیر جان ، فخر زمرۂ طوائفان ۔ چھوٹے خاں کنچن کی بیٹی ہے ؛ گو علمی لیاقت میں ہیٹی ہے ، الا طبیعت رسا ہے ۔ ۳۰ برس کی عمر ہے ، آدمی خلیق اور فیاض ہے ۔ اس کی صحبت والوں سے ایسا سنا ہے ۔ ہماری ایک مرتبہ کی ملاقات کے دوست امیر خاں صاحب منیر تخلص اکبر آبادی مقیم متھرا سے مشق سخن بڑھائی ہے ۔ متھرا ، آگرہ ، ٹونک وغیرہ کی خوب اس نے خاک آڑائی ہے ۔ اب دھلی کے اندر چاوڑی بازار میں اس کی سکونت ہے ، لوگ غلط کہتے ہیں کہ اسے رعونت ہے ۔ یہ غزل اس کی تحریر ہوتی ہے :

ایسی مجھ پر رات مشکل فرقت قاتل نے کی
ساتھ میرے صبح مر مر کر مری مشکل نے کی

آرزوے بوسہ گر دل میں کسی سائل نے کی
ہوگئی تدبیر درپردہ لب اس کے سلنے کی

سینکڑوں منزل عدم سے آگے وحشت لے گئی
خاک اب عنقا کرے گا فکر میرے ملنے کی

سایہ میرا مشعل برق تجلی ہوگیا
یہ نظر پر نور مجھ پر کس مہ کامل نے کی

دور تھی لیکن ہمارے ضعف پر کچھ رحم کر
پیشوائی سینکڑوں منزل مری منزل نے کی

بس نہیں چلتا ہے یا رب کیا کریں ناچار ہیں
جو نہ کرنی تھی ہمارے ساتھ وہ اس دل نے کی

ایسے دریاے بلا میں غرق ہے کشتی مری
توبہ جس کے نام سے اے نا خدا ساحل نے کی

اس کو تم جوہر نہ سمجھو اپنے رہنے کے لیے
تیغ قاتل میں جگہ خون رگ بسمل نے کی
گرمیٔ سوز جگر سے ہو گیا ہوں جل کے خاک
یہ شرارت آتشیں رخسار سے قاتل نے کی

شریر

شریر تخلص ، بی جگن نام ، بُندا کی بیٹی - جلیسر ضلع متھرا کی قدیم رہنے والی ، شستہ تقریر ، سخن میں طرز نرالی - میرے ایک مہربان شیخ میاں جان کی مدت تک نمک خوار رہیں ، عرصے تک اُن کے سلسلۂ اُلفت میں گرفتار رہیں - اسی وجہ سے علی گڈھ میں ان کا برسوں قیام رہا - ہمارے شفیق حضرت قیس اور شاید مرزا امیر بیگ سے بھی ان کو شوق اصلاح کلام رہا - راقم بھی بوجہ میاں جان صاحب شفیق موصوف چشم آشنا ہے - مردم شناسی میں عدیم النظیر ہیں ، نام کو شریر ہیں - اب سنا جاتا ہے کہ قصبہ جلالی میں کسی سے آدھا نکاح پڑھا لیا ہے ، ایک کو بگاڑا دوسرے کو بنا لیا ہے - ساھی میں براتیں بجا لاتی ہیں ، بعالم بیکاری پردے میں بیٹھ کر کھاتی ہیں - غرض یہ ایک مطلع اور دو شعر اس مقطع غزلِ خوبی کے تحریر ہوتے ہیں :

خنجر تیز پہ حلقوم کا رکھنا دیکھو
میرا دل دیکھو ذرا میرا کلیجا دیکھو
شہر سے بادیہ پیمائی شریر اچھی ہے
آنسو پونچھو غم دل دار میں صحرا دیکھو
شریر ایسا کچھ افسوں پڑھ کہ شوخی قید ہو جائے
غزالان حرم سے اُڑ کے چشم یار میں آئے

شرم

شرم تخلص ، چھوٹی بیگم اور چھوٹی صاحب نام ، لکھنؤ کی رہنے والی شیریں کلام ۔ زیادہ حال معلوم نہ ہوا ، یہ اس کا کلام مرقوم ہوا :

مردے زندہ ہو گئے پازیب کی جھنکار سے
ہر قدم پر حشر برپا ہے تری رفتار سے

ملے غیر سے یار آنکھوں کے آگے
مری جاں یہ کس کو گوارا ہوا ہے

شیریں

شیریں تخلص ، نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نام ، صاحب دیوان ، والیِ ریاست بھوپال ہیں ، ان کا کلام سن کر حسرت آگین شاعران شیریں مقال ہیں ۔ سنتا ہوں کہ ان کی ذات سے بہت آدمی فیض یاب ہیں ، اگر یہ سچ ہے تو غنیمت ہیں ، اب ایسے آدمی نایاب ہیں ۔ حسن صورت و سیرت میں یکتائے زمانہ ، انتظام ریاست میں یگانہ ۔ مولوی حبیب الدین احمد صاحب ادیب تخلص مرحوم کی نظر سے اُن کا کلام گزرتا تھا ، اُن کا دامن حاجت اُن کے دست نوال سے ہمیشہ بھرتا تھا ۔ دیکھیے اُن کا کلام کیا صاف صاف ہے ، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے ؟ اس میں لاف ہے نہ گذاف ہے :

خالق ہے خدائے سحر و شام ہمارا
مشہور اسی نے یہ کیا نام ہمارا

پیدا ہوئے ہم اُمت محبوب خدا میں
برتر نہ ہو کیوں رتبۂ اسلام ہمارا
آتی ہے ہوا سرد گھٹا اٹھتی ہے گھنگھور
منگواؤ صراحی و مے و جام ہمارا
بے تابیٔ دل اُس کے بھی دل میں تو اثر کر
مدت سے یہی تجھ سے ہے پیغام ہمارا
اے باد صبا تو ہی تن زار کو لے چل
گلزار میں آیا ہے وہ گلفام ہمارا
ہم کرتے ہیں حج کوچۂ دلدار کا اپنے
ہے چادر تن جامۂ احرام ہمارا
فرقت میں تری ساتھ دیا اپنا اُسی نے
کام آیا بہت یہ دل ناکام ہمارا
پہلی سی رکاوٹ نہیں اب ہے نظر لطف
آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا
کافر کیا مجھ کو تری اس زلف نے کافر
اس لام نے کھویا تری اسلام ہمارا
دنیا میں بڑا شور ہے شکّر شکنی کا
شیریں جو تخلص میں ہوا نام ہمارا

شیریں

شیریں تخلص، شیریں وحید نام - لکھنو میں یہ ایک رنڈی ہے مگر شیریں کلام - اور کچھ راقم کو اس کا حال معلوم نہیں - یہ کلام اُس دل ربا کا تحریر ہے:

فصل گل آئی اے دست جنوں دھیان رہے
ٹکڑے دامن ہو سلامت نہ گریبان رہے

دل پسا جاتا ہے قدموں کے تلے صاحب کے
پاؤں آہستہ سے رکھنے کا ذرا دھیان رہے

تیری صورت پہ نظر ہو ترے قدموں پہ ہو سر
تیری اُلفت میں مروں میرا یہ ایمان رہے

خانۂ جسم سے یہ کہہ کے سدھارے مری روح
اپنے گھر جاتی ہیں تھوڑی یہاں مہمان رہے

کیوں حضور آپ نے وعدے ہی پہ ٹالا برسوں
کسی شب آ کے نہ گھر میں مرے مہمان رہے

آرزو کوئی نہ بن آئی فلک کے ہاتھوں
دل بیتاب میں لاکھوں مرے ارمان رہے

اب یہ خالق سے شب و روز دعا ہے شیریں
کہ سدا دین محمدؐ مرا ایمان رہے

حرف الصاد

صاحب

صاحب تخلص ، آمۃ الفاطمہ بیگم نام ، مشہور بصاحب جی ۔ ملک مشرق سے مثل خورشید انور و سپہر منور رونق افزائے خطۂ لطافت بنیاد شاھجہاں آباد ہو کر کچھ بیمار ہوئی ۔ حکیم مومن تخلص نے علاج کیا ، صحت پا کر ایک سال تک حکیم صاحب مرحوم کے ہم پہلو رہی ، پھر لکھنؤ کی طرف چلی گئی ۔ سبحان اللہ ایسی حسین نازک اندام عنبریں مو تھی کہ ہر پیچ زلف پر خم کا حلقہ دام بلا تھا ۔ آئینہ روی ، درخشاں مرآت ، حیرت افزا تھا ۔ مثنوی قول غمیں' حکیم صاحب مغفور نے اسی دلربا کے خیال میں تصنیف کی ہے ۔ یہ اشعار اس کے لخلخہ سائے بزم سخن سنجان ہیں :

رقیبوں کا جلنا کہاں دیکھتا تو
سماں یہ مرے گھر میں آیا تو دیکھا
گنہ کیا صنم کے نظارے میں زاھد
یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا
کھولے ہیں اس نے پیرھن یوسفی کے بند
تہ کر رکھے ، نسیم سے کہہ دو ، قبائے گل
نظر ہے جانب اغیار دیکھیے کیا ہو
پھری ہے کچھ نگہ یار دیکھیے کیا ہو

جو خط جبیں کا مری کاتب ہے اسی کو
دکھلا تو مرا نامۂ اعمال الٰہی
صاحب جو بنایا ہے تو مانند زلیخا
یوسف سا غلام اک مجھے دے ڈال الٰہی

صنوبر

صنوبر تخلص ، جیونی نام ۔ یہ ایک عورت زمرۂ طوائفانِ جالندھر سے تھی ۔ عرصے تک دھلی میں رھی ۔ کچھ پہلے سے خواندہ تھی ، دھلی کے لوگوں کی صحبت پا کر علّامۂ عصر ہوئی ۔ ۱۲۱۹ ھجری میں مر گئی ۔ قدم شریف میں اس کی قبر ہے ۔ ریختہ گوئی میں اچھی مہارت تھی اور زبان بھی اچھی صاف ہو گئی تھی ۔ یہ شعر اس کے ھیں :

زندگی تک کے یار ھیں یہ لوگ
مر گئے پھر یہ آشنا کس کے
دل نہ دے ان کو تو خدا کو مان
اے صنوبر یہ بت بھلا کس کے

صدر

صدر تخلص ، نواب صدر محل بیگم صاحبہ ان کا نام ہے ۔ لکھنؤ کی رہنے والی صاحب دیوان ھیں ۔ صاحب ردیات ''چمن انداز'' لکھتے ھیں کہ ان کے دیوان کا نام ''بادشاہ نامہ'' ہے اور دوسرا نسخہ

ان کا مصنفہ جس کا نام ''گلدستہ'' ہے ، چھپ چکا ہے - یہ غزل آن کی تحریر ہے :

جوش جنوں میں رات دن سب سے رہا الگ الگ
میں ہوں جدا الگ الگ ، لوگ جدا الگ الگ
میں نے بلائیں لینے کو ھاتھ بڑھائے جب اُدھر
منہ کو پھرا کے یار نے مجھ سے کہا ''الگ الگ''
شمع جلانے آئے ہیں آج وہ میری قبر پر
چلیو خدا کے واسطے باد فنا الگ الگ
خاک ہو زندگی بھلا تیرے مریض عشق کی
میں ہوں دوا سے دور دور مجھ سے دوا الگ الگ
هجر میں خوب خاک اڑی اُن کو ھوا نہ کچھ اثر
نالے گئے الگ الگ ، آہ رسا الگ الگ
حسرت و آرزوے وصل ، درد و مصیبت فراق
سب کا ہے لطف الگ الگ ، سب کا مزا الگ الگ
صدر وہ کم نصیب ہوں هجر میں گر اٹھائیں ھاتھ
بابِ قبول سے رہے میری دعا الگ الگ

صنم

صنم تخلص ، درگا بائی نام ہے ، اس کے ناچنے گانے کا حال مشہور عام ہے - ایک مرتبہ راقم بھی اپنے ایک خلاصۂ مخلصان محمد اشرف خاں رئیس آگرہ کے ساتھ اس شاعرہ سے ملا تھا - ذہن اس کا

اُس زمانے میں بلا تھا ۔ اب مسنّ ایک عورت ہے ، شاعری سے اب تک رغبت ہے ۔ فارسی اور عربی کی چند کتابیں بھی کھول کر بیٹھی ہے ، دنیا کے سارے مزے حاصل کیے بیٹھی ہے ۔
یہ ایک شعر اس کا تحریر ہوتا ہے :

چھپایا گر رخِ پُر نور اپنا
جیے گا طالب دیدار کیوں کر

حرف الضاد

ضرورت

ضرورت تخلص ، شریف النساء بیگم نام ۔ نسبت زوجیت مرزا کوچک مرحوم سے رکھتی تھی ۔ یہ صاحبِ عفت و حیا نہایت نیک بخت ، پاکیزہ سرشت تھی ۔ اکثر اشعار نعت و منقبت میں کہا کرتی تھی ۔ یہ غزل اُس کی زیبِ مجلسِ اربابِ آئینہ دل ہے :

سرسبز رہے باغ سدا دین نبیؑ کا
مکی ، مدنی ، ہاشمی و مطلبی کا

یا رب رہے شاداب ہمیشہ چمن دیں
مکی ، مدنی ، ہاشمی و مطلبی کا

مشکل کو توجہ سے نبیؑ کیجیے آسان
ہے واسطہ اصغر کی تمھیں تشنہ لبی کا

مدحت میں کروں فکر ، دماغ اتنا کہاں ہے
خامے سے لکھا جائے ہے کب وصف نبیؑ کا

مشکل ہو جو آسان دعا مانگ ضرورت
کر عرض کہ یہ وقت ہے حاجت طلبی کا

ضیا

ضیا تخلص، ضیائی بیگم نام، زوجہ حکیم نور علی مرحوم لکھنوی۔ سنا ہے کہ یہ صاحب عفت فاضلہ تھی۔ گاہ گاہ عربی فارسی بھی کہتی تھی۔ باسٹھ سال زندہ رہی، اب معلوم ہوا کہ مر گئی۔ فارسی اشعار اس کے میسر نہ آئے۔ یہ ریختہ اشعار اس کے ذہن سے ہیں:

ہمارا تم سے تمہارا ہم سے نہ اٹھ سکے گا عتاب ہرگز
اٹھے تو کیوں کر اٹھے بتاؤ کہ تم ہو نازک میں ناتواں ہوں

سوتے میں شب جو پیچ کھلے زلف یار کے
دعوے دروغ ہو گئے مشکِ تتار کے

شمشاد و سرو سایۂ قامت چمن میں ہیں
خورشید و مہ شعاع ہیں رخسار یار کے

بے وجہ بو شراب کی منہ میں نہیں ضیا
چوسے ہیں ہونٹ تم نے کسی بادہ خوار کے

میں نے پوچھا قتل مجھ کو کیجیے گا کس طرح
بولے غفلت سے کبھی، گاہے نگاہ تیز سے

حرف الطاء

طلب

طلب ، اگرچہ مجہول الحال ہے مگر شیریں مقال ہے :

طلب کو طلب تھی جو دیدار کی
کھلی رہ گئی آنکھ بیمار کی

حرف الظاء

ظرافت

ظرافت ، صاحب 'گلستان سخن' نے اسی قدر لکھا ہے کہ یہ کوئی پردہ نشین تھی ، نا معلوم الاسم و المسکن ۔ یہ ایک شعر اس کا تحریر ہے :

اس کے لب ہیں شراب سے بہتر
حسن ہے آفتاب سے بہتر

حرف العین

عالم

عالم تخلص ، نواب بادشاہ محل بیگم صاحبہ ، محل واجد علی شاہ صاحب والیِ اودھ سابق ، حال مقیم کلکتہ ۔ یہ شاعرہ صاحب دیوان ہے اور ستار نواز بھی خوب ہے ۔ یہ ایک شعر اُس کا تحریر ہے :

عالم وہ طلب گار ترے ہوں گے اسی دن
جب تازہ ستم اور کوئی ایجاد کریں گے

عزت

عزت تخلص ، عزت النساء نام ۔ یہ صاحب عفت ضلع مظفر نگر کے کسی مقام میں رہتی ہے ۔ حال اس کا پردے میں ہے ، مفصل معلوم نہیں ہوا ۔ مگر نام سے صاف اظہر ہے کہ کوئی شریف زادی صاحب عزت ہے ۔ دو شعر اُس کے سنے گئے :

قافیہ تنگ نہ ہو اہل سخن کا کیوں کر
ہے مرے شعر میں مضمونِ کمر اُس گل کا
میں اپنی آہ کی تاثیر پر فدا عزت
کہ بزم غیر سے یاں اُس کو کھینچ لاتی ہے

عایشہ

عایشہ ، یہ کوئی عورت سمرقند کی رہنےوالی ہے ۔ اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت عالی ہے :

اشکے کہ ز چشم من برو غلطید است
درگوش کسے دہ آنکہ (کذا) مروارید است
از گوش بروں آر کہ بدنامی تست
کاں را بہ رخسم تمام عالم دیدست

عصمتی

عصمتی تخلص اور یہی نام ہے ۔ فصاحت و بلاغت میں یکتا ، عفت و عصمت میں بے ہمتا ۔ کہتے ہیں کہ شب بیداری ور پارسائی اس کا شعار تھا ، اسی وجہ سے عصمتی تخلص ہوا ۔ زندگی میں کبھی دامن عصمت اُس کا صبا بھی نہ چھو سکی ، اُس کے غنچۂ عفت کو ہرگز ہوا نہ لگی ۔ مثل غنچۂ ناشگفتہ باغ عالم سے سفر کیا ، گلزار جنت میں گھر کیا ۔ یہ شعر اُس کا ہے :

از پاشکستگاں طلب کعبہ مشکل است
آں کعبۂ کہ دست دہد کعبۂ دلست

عصمتی

عصمتی ، یہ کوئی قاضی زادی سمرقند کی رہنے والی ہے ۔ یہ شعر اُس کا حوالۂ خامہ ہے :

مگر رسوائے عشق از مردم عالم غمے دارد
کہ عاشق گشتن و رسوا شدن ہم عالمے دارد

عصمتی

عصمتی تخلص ، نواب جہاں آرا بیگم نام ۔ یہ شاہزادی صاحب فراست ، صاحب زبان ، فن شعر میں یکتائے زمان ۔ ایک روز تفرج کناں گلزار فردوس رشک میں مثل سرو چمن خراماں پھرتی تھی ، سیر گل و گلزار سے دل کو خوش کرتی تھی ۔ سعدی شیرازی مدت مدید سے اس گل رو کے حسن و جمال کا آوازہ اور شعر و سخن کا شہرہ سن کر مثل لالہ دل پر داغ رکھتے تھے ۔ اس روز خبر پا کر باغ میں جانے کا راستہ چار سو ڈھونڈتے تھے ، کوئی راہ نہ ملتی تھی ۔ اتفاقاً ایک موری نظر پڑی ۔ غنیمت جان کر اس موری سے سر نکال کر دیدۂ تشنۂ دیدار کو شربت دیدار سے سیراب کرنے لگے ۔ ناگاہ اس کی نگاہ جو سعدی پر پڑی ، دیکھتے ہی یہ مصرع موزوں کیا : ع

زمیں ترقید پیدا شد سر خر

یہ سن کر سعدی علیہ الرحمۃ نے فوراً جواب دیا کہ :

شنید آواز مادہ آمدہ نر

القصہ یہ اشعار فارسی اس کے سنے گئے :

ہمیں امیدوارم از تو اے پروردگار من
چو من دیوانہ گردد آں بت زنار دار من
نمی دانم کہ رشک ماہ گرد آلودہ در خاکم
کہ نور عرش را شرمندہ می سازد غبار من

عشرت

عشرت تخلص ، نواب عشرت محل بیگم نام - یہ ایک بی بی منکوحہ علاّت شاہ معزول اودھ میں سے ہے - نہایت عقیل اور شیریں کلام - طبیعت کی گرمی شعر سے پیدا ہے ، دل کی خوشی مضمون سے ہویدا ہے - یہ دو شعر اس کے ہیں :

شعلۂ عشق لگا آگ نہ دل میں میرے
یہ تو اللہ کا گھر ہے کسی دشمن کا نہیں
گرمیٔ عشق مانعِ نشو و نما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا

عفتی

عفتی ، اسفر کی رہنے والی ، شیخ آذری کی خادمہ کا یہ شعر ہے :

قامت سرو کہ در آب نمودار شدہ
کردہ دعویٔ بہ قد یار نگونسار شدہ

عزیز

عزیز ، یہ شاعرہ کوئی دھلی کی رہنے والی سعادت یار خاں رنگیں کی شاگرد ہے - ایک شعر اس کا تحریر ہے :

تم نہ دیکھو گے گو ہمیں اک بار
ہم تمھیں بار بار دیکھیں گے

مگر رسوائے عشق از مردم عالم غمے دارد
که عاشق گشتن و رسوا شدن هم عالمے دارد

عصمتی

عصمتی تخلص ، نواب جہاں آرا بیگم نام ۔ یہ شاہزادی صاحب فراست ، صاحب زبان ، فن شعر میں یکتائے زمان ۔ ایک روز تفرج کناں گلزار فردوس رشک میں مثل سرو چمن خراماں پھرتی تھی ، سیر گل و گلزار سے دل کو خوش کرتی تھی ۔ سعدی شیرازی مدت مدید سے اُس گل رو کے حسن و جمال کا آوازہ اور شعر و سخن کا شہرہ سن کر مثل لالہ دل پر داغ رکھتے تھے ۔ اُس روز خبر پا کر باغ میں جانے کا راستہ چار سو ڈھونڈتے تھے ، کوئی راہ نہ ملتی تھی ۔ اتفاقاً ایک موری نظر پڑی ۔ غنیمت جان کر اُس موری سے سر نکال کر دیدۂ تشنۂ دیدار کو شربت دیدار سے سیراب کرنے لگے ۔ ناگاہ اُس کی نگاہ جو سعدی پر پڑی ، دیکھتے ہی یہ مصرع موزوں کیا : ع

زمیں ترقید پیدا شد سر خر

یہ سن کر سعدی علیہ الرحمۃ نے فوراً جواب دیا کہ :

شنید آواز مادہ آمدہ نر

القصہ یہ اشعار فارسی اُس کے سنے گئے :

همیں امیدوارم از تو اے پروردگار من
چو من دیوانه گردد آں بت زنار دار من
نمی دانم که رشک ماه گرد آلوده در خاکم
که نور عرش را شرمنده می سازد غبار من

عشرت

عشرت تخلص ، نواب عشرت محل بیگم نام - یہ ایک بی بی عملات شاہ معزول اودھ میں سے ہے - نہایت عقیل اور شیریں کلام - طبیعت کی گرمی شعر سے پیدا ہے ، دل کی خوشی مضمون سے ہویدا ہے - یہ دو شعر اس کے ہیں :

شعلۂ عشق لگا آگ نہ دل میں میرے
یہ تو اللہ کا گھر ہے کسی دشمن کا نہیں
گرمیِ عشق مانعِ نشو و نما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ آگا اور جل گیا

عفتی

عفتی ، اسفر کی رہنے والی ، شیخ آذری کی خادمہ کا یہ شعر ہے :

قامت سرو کہ در آب نمودار شدہ
کردہ دعویٰ بہ قد یار نگونسار شدہ

عزیز

عزیز ، یہ شاعرہ کوئی دھلی کی رہنے والی سعادت یار خاں رنگیں کی شاگرد ہے - ایک شعر اس کا تحریر ہے :

تم نہ دیکھو گے گو ہمیں اک بار
ہم تمھیں بار بار دیکھیں گے

عصمت

عصمت ، عصمت النسا نام ، ساکن دھلی ۔ سنا ھے کہ لکھنؤ کی سیر بھی کر آئی ھیں ۔ اب مدرسۂ مدرسۂ لاھور مشھور ھیں ، اپنے نزدیک بہت دور ھیں ۔ یہ ایک شعر اُن کا حوالۂ قلم ھے :

لب ھوئے بند نام احمدؐ سے
اور مشکل کشا نے کھول دیے

عفت

عفت تخلص ، نجم النساء نام ، لکھنؤ کی رھنے والی ، مقصود عالم مقصود کی شاگرد ۔ یہ شعر اُس کا سنا گیا :

ھم جو اے جان جہاں تم سے بچھڑ جاتے ھیں
صدمے ھوتے ھیں ، قلق ھوتے ھیں ، گھبراتے ھیں

عیدو

عیدو ، یہ بازاری عورت دھلوی ھے ۔ سنا ھے کہ مفتی صدر الدین خاں آزردہ نے یہ شعر اس کا پسند کیا تھا :

غنچے کو رگ گل کو دکھا ، مانی سے کہہ دو
تصویر میں کھینچے دھن ایسا کمر ایسی

حرف الغین

غریب

غریب تخلص ، امیر النساء نام ، زوجہ میر کرامت علی ، متوطن پٹنہ ، قوم سادات سے ۔ اور حال اُس کا معلوم نہیں ۔ یہ اشعار اُس کے ذہن رسا سے ہیں :

لو اور وہ تو جلنے لگا میرے نام سے
دل سرد اب تو آہِ شرر بار نے کیا

کھلتا نہ تا بہ مرگ مرا یہ معاملہ
رسوائے شہر مجھ کو دلِ زار نے کیا

دل کو در پردہ جلایا مثل شمع کیوں غریب
وہ جو پروانہ ہے غیروں پر تو ہو کچھ غم نہ کر

آہ گر دل میں جگہ اُس کے نہیں کرتی تو خیر
اس قدر بھی مجھ سے اس محبوب کو برہم نہ کر

وہ وہاں بے شرم غیروں پر رہے پروانہ وار
میں یہاں پردے میں مثل شمع جل جل کر مروں

حرف الفاء

فرحت

فرحت تخلص ، فرحت بخش نام ۔ یہ عورت متوطن فیض آباد حسن فروشان بازاری میں سے ہے ۔ ایک نواب کے پاس نوکر تھی ۔ علم موسیقی میں اس قدر دست گاہ رکھتی ہے ، جب کبھی گاتی تھی ، تان سین کی روح مجرے کو آتی تھی ۔ فن شعر سے رغبت تمام رکھتی تھی ، بی مشتری کی طرح اور شاعروں کو نام رکھتی تھی ۔ یہ اشعار اس کے سنے گئے :

دل لگایا ہے تری زلف دوتا سے ، کچھ ہو
سانپ کو چھیڑ لیا اب تو بلا سے کچھ ہو
میں نہ چھوڑوں گی سرِ زلفِ بتاں اے واعظ
میری کیا تجھ کو پڑی تیری بلا سے کچھ ہو

فنا

فنا تخلص ، مہتاب النساء بیگم صاحبہ نام ۔ یہ تیسری بی بی جہانگیر بادشاہ کی عالی ذہن ، موزوں طبیعت ، نازک خیال تھی ۔ اپنے عہد کی عورتوں میں ہر طرح سے بےمثال تھی ۔ یہ فارسی اشعار اس کے تحریر ہوئے :

من از فراق تو التماس غم بدل خوردم
تو دل شکستی و سوگند وصل ما خوردی
مکن تکرار اے دل ہر نفس درس محبت را
مدہ در ہر دو عالم نشۂ صہبائے حیرت را
جز تو اے شاہِ جہاں بخش دریں عالم کیست
جز جمع آورِ ارواح تنِ آدم کیست
ہنگام سحر دلبر من جلوہ گر آمد
صد فتنۂ خوابیدۂ محشر بسر آمد

فاطمہ

فاطمہ تخلص ، بی بی فاطمہ سام نام دہلوی نوراللہ مرقدھا ۔ 'حدیقۃ الاولیاء' میں تحریر ہے کہ یہ عارفہ کاملہ حضرت نظام الدین رحمۃاللہ علیہ سے پہلے گزری ہے ۔ چھ سو تینتالیس (۶۴۳) ھجری میں اس کی وفات ہوئی ۔ یہ شعر پر اثر تحریر ہے :

هم عشق طلب کنی وهم جاں خواهی
هر دو طلبی ولے میسر نشود

فاطمہ

فاطمہ بیگم نامی کوئی عورت آگرے کی نامعلوم الاحوال ہے ۔ یہ شعر اس کا درج ہے :

نازک دماغ وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت
ہم خود بھی ایسے ہیں کہ منایا نہ جائے گا

فریدن

فریدن ۔ جامع ردیات 'چمن انداز' اس رنڈی کی نسبت میرٹھ کی سکونت اور ۴۵ برس گزرے کہ آنا اس کا دھلی میں اور دکھانا اپنے اشعار کا کسی حافظ صاحب کو اور زندہ رھنا غدر تک لکھتے ھیں ۔ سبحان اللہ ! دروغ گویم بر روئے تو ۔ جھوٹے کے منہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فریدن جو میرٹھ کی قدیم رھنے والی خوش گلو مشھور چار سو ، جس کی اب عمر ساٹھ (۶۰) سال سے تجاوز کر گئی ھوگی ، خوش خط لکھی ھوئی سطر میں سے دو حرف پہچان سکتی ھے ، وہ شعر گوئی کب جان سکتی ھے ؟ نہ کبھی اس نے شعر لکھا ، نہ کسی حافظ کو دکھایا ، ھمیشہ ناچا گایا اور اپنے زمانے میں اوروں کو تگنی کا ناچ نچایا ۔ اس کے سوا کوئی اور یہاں کی رھنے والی اس نام کی کیا ، اور نام کی بھی نہیں ھوئی ۔ کسی دھلی کے لونڈے چلتے پرزے نے ھمارے بھولے بھالے مشفق تذکرہ نویس کو اپنے ھنسنے کے لیے دم دے دیا ھوگا ۔ خیر اس شعر کو جو خدا جانے کس کا ھے ، اس نا آشنائے سخن کے نام لکھتے ھیں ۔ اگرچہ یہ فضول اور لغو اس قابل تحریر نہ تھا ، الاً ناظرین کو یہ لطیفہ سنانے اور صاحب ردیات کی تحقیق ظاھر کرنے کے لیے صفحہ سیاہ کیا گیا ۔

اک ھی زبان رکھو تو ھم کو زبان دو
کرتی ھے رو سیاہ قلم کو زبان دو

فرّخ

فرّخ تخلص فرخ بخش رنڈی پورب کی رہنے والی کا۔ یہ ایک۔ شعر سنا ہے سو تحریر ہے:

ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوتی ہے
نگاہ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوتی ہے

حرف القاف

قمر

قمر تخلص ، قمرالنساء نام ، زوجہ اشرف علی خان مسرور مبرور۔ اس صاحب عفت کو اپنے شوہر سے عشق کامل تھا ، اس کے شوہر کو بھی اس کی نسبت محبت کا کمال حاصل تھا ۔ چناں چہ اشرف علی خان مبرور نے جب رحلت کی تو بروز سوم اس مرحوم کے اس نے بھی ملک عدم کی راہ لی ۔ یہ چند شعر اس کے حوالۂ قلم ہوتے ہیں :

موئی ہوں تشنۂ جام شراب اے ساقی
اٹھوں گی گور سے میں بھی سبو سبو کرتی

جسے لوگ کہتے ہیں خورشید رخشاں
شرارہ ہے یہ میرے سوز نہاں کا

کریں کچھ دو منہ بند غنچے سب اپنا
میں لکھتی معمّا ہوں اس کے دہاں کا

خطر سے مری آہ کے ایسا بھاگا
پتا لا مکاں تک نہیں آسماں کا

قادری

قادری تخلص ، جعفری مذکورہ کی چھوٹی بہن ، شاہ نصیر صاحب مرحوم کی شاگرد ۔ یہ غزل اس کی یادگار ہے :

شرطِ وفا تھی یہی غیر کے گھر جائیے
کچھ تو حیا کیجیے جی میں تو شرمائیے
ترسِ خدا چاہیے اے بتِ ترسا تجھے
عاشقِ رنجور کو اتنا نہ ترسائیے
لب سے بہم کیجیے اپنے لبِ لعل کو
شرم نہ کچھ کیجیے چھاتی سے لگ جائیے
میں ہوں فقط اور تم نام نہیں غیر کا
پاؤں مری گود میں شوق سے پھیلائیے
ھجر میں اے قادری سخت ہے مضطر یہ دل
ایک دن اُس سے ضرور ملنے کی ٹھہرائیے

قمر

قمر تخلص، حیدری بیگم نام، معروف بہ ماہ طلعت مرحومہ، محل واجد علی شاہ صاحب ۔ اس شاعرہ کا یہ کلام ہے:

لے گیا قیس پہ بھی فوق تمھارا وحشی
مر کے بھی دست جنوں سے نہ گریباں چھوڑا
ہوگئی نیند بھی ہمسائے کی تا صبح حرام
میں نے نالہ جو کسی رات سر شام کیا
ھجر میں دل کو بیقراری ہے
جوش فریاد و آہ و زاری ہے
آنکھیں پتھرا کے ہو گئی ہیں سفید
کسی بت کی یہ انتظاری ہے

حرف الکاف

کنیز

کنیز تخلص ، منجھو خانم نام ، طبیب الدولہ لکھنوی کی دختر ہے ۔ سنا ہے کہ بارہ برس کی عمر سے شعر گوئی کا شوق ہے ۔ یہ رباعی اُس کی آویزۂ گوشِ اربابِ ذوق ہے :

ہے دست اللہ نام تیرا یا شاہ
بس غیر کے ہاتھ پر نہ رکھ میری نگاہ
تیری ہو کنیز غیر کی دست نگر
لا حول و لا قوت الا باللہ

کمّن

کمّن ، ہم تخلص و ہم نام ۔ یہ ایک بھنگیرن سبزہ رنگ بھرت پور کے کسی بازار میں بیٹھتی تھی ۔ شام کے وقت اس کی دوکان دلستان پر ہجوم بھنگ نوشاں ہوتا ۔ جب سب کو نشے چڑھتے تو باہم اُن کی خوب چھنتی ۔ رفتہ رفتہ ضلع جگت پھکڑ میں طاق اور شہرہ آفاق ہو گئی ، طبع موزوں اور ذہن رسا رکھتی تھی ۔ کچھ پڑھ لکھ کر شعر گوئی میں بھی چند روز میں مشاق ہو گئی ۔ یہ ایک مطلع اُس کا مستانِ نشۂ سخن کے روبرو پیش کیا جاتا ہے :

آہ میں ہوتی اگر حضرت شبیر کے ساتھ
مارتی شمر موے کو کسی تدبیر کے ساتھ

کیفی

کیفی تخلص، یہ کوئی شہزادی تیموریہ خاندان سے تھی۔ اس خمسہ کے سوا اور کچھ کلام اس کا نہ سنا گیا:

کس کا منہ ہے جو کرے مدح تری میرے نبی
نعت اطہر میں ہے جب شخص ذکی محض غبی
حبذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

نور تھا تیرا وہاں نور حقیقت سے بہم
دیکھ کر موسیٰ و عمراں ہوئے غش شاہ امم
اور مہر رخ تاباں پہ ہے کیا ہی عالم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

مہبط روح قدس آپ کی ذاتِ والا
عرش اعظم در دولت پہ کہے صل علا
عظمت رتبۂ والا ہو شہا کس سے ادا
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

نور سے تیرے منور ہے زمیں دشت بدشت
تو ہی بانی ہے بنائے فلکِ زریں طشت
نہ فلک، ہشت جناں کی نہ خوش آئی گلگشت
شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گذشت
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

حق تعالیٰ نے کیا آپ کو ابر اکرام
تجھ سے خنداں ہے لبِ غنچۂ اُمیدِ انام
ہیں شجر اور حجر غرقِ سحابِ انعام
نخلِ بستانِ مدینہٗ تو سر سبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

ذات انور سے بنا سارا جہاں عالم نور
اور فروغ اس کے سے ہر خانہ ہے بیت المعمور
رب عزت کو جو اعزازِ عرب تھا منظور
ذاتِ پاکِ تو دریں خاکِ عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

رتبہ وہ ترے سگِ کُو کا ہے اے شاہ اُمم
سر بپا اس کے رہا شیر فلک بھی ہر دم
رشک افزائے ملائک ہے سوائے آدم
نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بسگِ کوے تو شد بے ادبی

فرقتِ روئے مقدس میں نہیں تابِ حیات
زہر پی جاؤں پلائیں ہو مئے ناب حیات
تشنۂ وصلتِ اقدس نہیں سیراب حیات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

چشم ہے آپ سے اے شاہ سرافراز نظر
نظر لطف سے عصیاں پہ ہو باز نظر
تا کریں خلد بریں پر بھی وہ با ناز نظر
چشمِ رحمت بکشا سوے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

درد عصیاں سے ہے بے تاب نہایت کیفی
حکمتِ لطف سے اِس درد کے ہو تم شاق
حازم درگہ یہ کیفی ہے مثال قدسی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

کنیز

کنیز تخلص ، کنیز فاطمہ بیگم نام ، دختر خورد نصرت الدولہ بہادر لکھنوی فقط۔ لطیفہ : ہمارے تذکرے مطبوعہ ۱۸۶۹ء میں بہ صفحہ ۹۰ اس شاعرہ کی نسبت عبارت محررۂ بالا جس کو اب مکرر جلی قلم سے ہم لکھتے ہیں ، اس طرح ہے : ''کنیز تخلص کنیز فاطمہ بیگم نام، دختر خورد نصرت الدولہ بہادر'' الخ لکھی ہے۔ اس ہمارے تذکرے کی عبارت بدل کر اپنی ردیات میں ایک صاحب طاق کو آلا کہنے والے بھولے بھالے 'چمن انداز' میں یوں لکھتے ہیں۔ عبارت چمن انداز: ''کنیز تخلص ہے فاطمہ بیگم نامی نصرت الدولہ یہ اور لکھنوی کی چھوٹی بیٹی کی لونڈی فقط'' آنکھ بند کرکے اگر یہ عبارت کوئی سنے تو مجذوب کی بڑ سمجھے۔ کیا مہمل ، بے معنی مکروہ عبارت ہے۔ اب لطیفہ یہ ہے کہ کنیز فاطمہ بیگم ایک پورا نام ہے جس کے دو ٹکڑے کر دیے اور کنیز کے معنی یوں سمجھے کہ نصرت الدولہ کی دختر خورد کی لونڈی ہے۔ حالانکہ کنیز فاطمہ بیگم با معنی نام برکت کے لیے ہے جیسا ہندو صاحبوں میں کسی کا نام درگا پرشاد ہو تو اس کے معنی یوں رکھے گئے ہیں کہ یہ بچہ درگا جی کا پرشاد ہے۔ پس اس نام کے بھی یوں ہی معنی ہیں کہ حضرت

فاطمہ کی لونڈی فقط ۔ بیگم بنظر افتخار و شان اسم ، نہ یہ کہ نصرت الدولہ کی چھوٹی بیٹی کی لونڈی ، ہائے تمیز ۔ آج ایک مجمع میں صاحب 'چمن انداز' کی یہ عبارت پڑھی جاتی تھی اور واللہ ہنسی کے مارے سب کے پیٹ میں بل پڑے جاتے تھے ۔ آخر الامر وہ مجمع صاحب ردیات کی نسبت یہ مصرعہ دعائیہ پڑھ کر آٹھا کہ : ع

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

اگرچہ عمر ایسی گراں بہا شے کا ایک لحظہ بھی مزخرفات میں صرف ہونا موجب ملال اور افسوس ہے ، مگر تنہا اس لطیفے کا مزہ لینا اور ناظرین کو اس کے حظ سے محروم رکھنا خلاف اخلاق سمجھا ؛ بناءً علیہ انھیں حضرت کے بقول اُن کے نامۂ اعمال کی طرح یہ صفحہ سیاہ کیا گیا ۔ کیسی غیرت دنیا سے آٹھ گئی ہے ، لیاقت ہو یا نہ ہو مگر پانچوں سواروں میں شریک ہونا ضرور ۔ دشمنان تمیز و دانش کو اودھ پنچ کا حوالہ ۔ المختصر اس شاعرہ کا باقی ماندہ حال یہ ہے کہ اس شاعرہ کو پندرہ برس کے سن میں بعد تحصیل علوم شوق سخن گوئی ہوا ۔ بیس برس کی عمر میں وفات پائی ۔ یہ اشعار اس کے زیب صفحۂ تذکرہ ہیں :

نقاش نے اس بت کا سرے نقش جو کھینچا
ساعد پہ نہ پہنچا تھا کہ بس ہاتھ کو کھینچا

وصل کی شب ہو گا کیا حاصل ہمیں جو ناز سے
جب تلک تم بند کھولو گی سحر ہو جائے گی

جانتی بھی ہو پری رو تم کیا کرتے ہو کیا
مارتے ہو ، زندہ کرتے ہو ، قیامت کرتے ہو

گُنّا

گُنّا تخلص ، گنا بیگم نام ، صبیۂ علی قلی خاں والہ تخلص

عالی مقام ، زوجہ نواب عماد الملک ۔ نقل ہے کہ جس روز اس کا بیٹا فوت ہوا اور نواب نے خبر منگوائی ، اُس نے یہ شعر لکھ بھیجا :

شعر

از حال ما مپرس کہ دل چاک کردہ ام
لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ ام

غرض یہ رباعی اُس کے کلام سے ہاتھ آئی کہ تحریر ہوتی ہے :

فوارہ ز ہر گوشہ شرارہ بروزد
از تار ترشح گرہ گوہر زد
نے نے غلطم کہ در رگ و ریشۂ آب
فصاد ہوا ہزار جاں نشتر زد

گُنّا

گُنّا ، یہی تخلص یہی نام ، لکھنؤ ان کا وطن ہے اور یہ ان کا کلام ، اور کچھ حال معلوم نہیں :

یقین کیجیے دولت سرا میں یار نہیں
دل طپیدہ کو پہلو میں جو قرار نہیں
نہ مجھ کو دیجیے بوسہ میں آپ لے لوں گی
میں آپ بھی تو اٹھاتی کسی کی عار نہیں
بنایا مجھ کو زمانے نے آخرش چورنگ
کیا نہ کون سا یاروں نے مجھ پہ وار نہیں
فلک زدہ جو ہے گُنّا تو ان دنوں صاحب
بغور ہم نے جو دیکھا کسی کے یار نہیں

گوہر

گوہر ، یہ عورت کابل کی رہنے والی کسی رسالدار کی دختر ہے - اپنے والدین سے رنجیدہ ہو کر ہندوستان میں آئی اور لدھیانہ میں طرحِ اقامت ڈالی - آردو میں مشق یہاں تک بڑھائی کہ اہل ہند کی زبان سے زبان ملائی - خدا جانے کیوں کر مگر امیرانہ بسر اوقات کرتی ہے - یہ شعر اس کے منتخب ہوئے :

غیر اچھا ہے ، ہوگا ، اپنے لیے
ہم کو کہتے ہو کیوں برا صاحب

لجا کر ، شرم کھا کر ، کسمسا کر
دیا بوسہ مگر کچھ منہ بنا کر

گوہر

گوہر تخلص ، لعل بے بہا نام ، لکھنؤ کی کوئی کسبی ہے ، خوش گلو ، گل اندام - یہ اشعار اُس کے درج ہوتے ہیں :

حسرت و یاس و الم اور غم تنہائی ہے
اپنی قسمت میں یہی انجمن آرائی ہے

تھا ابھی ذکر تمھارا کہ ابھی تم آئے
مری تاثیر زباں کھینچ کے لے آئی ہے

مژدہ اے شوق ہم آغوش کہ جاگے ہیں نصیب
لے کے انگڑا" وہ کہتے ہیں کہ نیند آئی ہے

روح پیاسی گئی کس مست کی مے خانے سے
مے اُڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے

راہ میں مل گیا بت خانہ بھلے کو زاہد
کعبے کو جا ہی چکا تھا ترے بہکانے سے

گوہر

گوہر، یہی تخلص اور یہی نام، سلطان پور مولد ہے اور پرتاب گڑھ میں ان کا مسکن اور مقام ۔ عمر بقول میر حسن :

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

سلطان پور کے مدرسۂ نسواں میں اردو فارسی میں کسب کمال کیا، طغرا ظہوری کے ورق سارے چاٹ گئیں، نثر میں ابو الفضل کو غرق بحر انفعال کیا ۔ انگریزی کی منتہی کتابوں کو پوٹین کی طرح نگل گئیں، اس طرف سے فرصت پائی تو شاعری کی کانٹی پر پھسل گئیں ۔ آغاز شوق میں حافظ حامد حسین سحر تخلص سہارنپوری سے مشق سخن کرتی رہیں، برنگ عشاق ان کو بدل کر میاں صفیر لکھنوی کی خوبیِ اصلاح پر سرق رہیں ۔ ۱۸۷۶ء سے پرتاب گڑھ میں رونق افروز ہیں، اب وہاں کے عاشق مزاج لوگ ان سے بہرہ اندوز ہیں ۔ ۵۔ اپریل ۱۸۷۹ء کو ادھر سررشتہ تعلیم کے جلسۂ مشاعرہ میں حکام انگریزی و ہندوستانی و رؤسائے شہر و شاعران شیریں گفتار کا ھجوم، ادھر بی گوہر کے حسن کی دھوم ۔ نظر بازوں کی آدھر ہی لڑی ہوئی نگاہ، مطلع سہر مضامین پیش نظر اور لب پر آہ ۔ ۱۸۷۷ء میں ایک ٹھاکر صاحب پر طبیعت آئی، ان کے ساتھ چل دیں، گھر کی رونق بڑھائی ۔ بعد چندے پھر اسی بورئیے پر آئیں مگر جب کہ نوبت بعدالت آئی، ۱۸۸۰ء میں کسی

اور تعلقہ دار سے ادھورا نکاح پڑھوایا ، وارفتہ طبیعت والوں نے نکاح باطل کی دلیل پر ھائی کورٹ سے آن کا پیچھا چھڑایا ۔ فن سخن سے رغبت کمال ، عاشق مزاجی میں بے مثال ۔ سلامتی سے کچھ کا بھی لیتی ھیں مگر اپنا ھی کلام ، ھم سے غریبوں کی نہ دعا قبول ھوتی ھے نہ سلام ۔ یہاں تک پابند انکسار ھیں کہ کبھی دون کی لیتی نہیں ۔ ان کے دلربایانہ ناز کی کیفیت ان کے دیکھنے والوں سے پوچھیے ۔ ھر دم نئی بلا کا سامنا ، ھر لحظہ ان کا قلب آماجگاہ خدنگ قضا ۔ ان کی تیغ ابرو کے عشق میں آنکھ کی راہ سے کسی کا کلیجہ کٹ کر نکلتا ھے ، کوئی دلدادہ بصورت جراحت منہ سے لہو آگلتا ھے ۔ حالاں کہ دنیا میں صاف رواں دواں کا نقشہ ھے مگر نادانی کا برا ھو، ھر شخص کسی نہ کسی کی محبت میں پھنسا ھے ۔ یہ شاعرہ اب ریڈنگ کلب پرتاب گڑھ کی ممبر ھیں ، کیوں نہ ھو، حسن میں بھی تو ایسی ویسیوں سے بہتر ھیں ۔ المختصر یہ کلام ان حور لقا کا راقم مشتاقِ لقا زیبِ صفحۂ تذکرہ کرتا ھے :

آپ کے جاں نثار ھم بھی ھیں
عاشقِ دل فگار ھم بھی ھیں

مہ وشِ گل عذار ھم بھی ھیں
اک بتِ ھونہار ھم بھی ھیں

زاھدو ھم سے کیوں تنفر ھے
صنعتِ کردگار ھم بھی ھیں

امتحانِ وفا تو ھو ھی گا
تم بھی ھو اور یار ھم بھی ھیں

درد کہتا ھے مجھ سے غربت میں
تم نہ گھبراؤ یار ھم بھی ھیں

سچ کہا ہے کسی نے اے گوہر
اپنے مطلب کے یار ہم بھی ہیں
بس اٹھ گئی رسم دل لگی کی
رونے وہ جو بات کی ہنسی کی
ابرو کو ترے جنو تیغ باندھا
یہ بات تھی اک رواروی کی
چھلنی داغوں سے دل ہے گوہر
انگیا مل ہم کو سوزنی کی
آئیے اے جان عالم آئیے
اپنی بندی پر کرم فرمائیے
عید آئی اور گیا ماہ صیام
چاند سا منہ آج تو دکھلائیے
سال بھر گزرا امید وصل میں
عید کا دن ہے گلے مل جائیے
ایک بوسے پر دیے دیتا ہوں دل
بندہ پرور مفت ہی لے جائیے
اک گھڑی بھی بیٹھنا دوبھر ہوا
دل کو سمجھا لیں گے، اچھا جائیے
وصل کو کہتا ہوں جب گوہر سے میں
ہنس کے کہتی ہیں کہ منہ بنوائیے

گیتی آرا

گیتی آرا، شاید یہی تخلص بھی ہو۔ دھلی کے اندر پہاڑ گنج میں رہتی ہے۔ فارسی پڑھی ہوئی ہے، عام پیشہ کرنے والوں میں

بڑھی ہوئی ہے ، مگر شہزادی آپ کو بتاتی ہے ، یہ بے ہنگام بالکہ سناتی ہے ۔ یہ شعر اُس کا ہے :

ہم نشیں ہیں وہ کہاں کوئی ٹھکانا نہ رہا
یا ہمیں وہ نہ رہے یا وہ زمانا نہ رہا

حرف اللام

لطیف

لطیف تخلص ، لطیف النساء نام ، زوجہ شمشیر خاں متوطن عظیم آباد ۔ یہ عورت کسی عالی خاندان کی تھی اور سنا گیا کہ شمشیر خاں بھی آدمی جوان مردوں میں گزرا ہے ۔ یہ زوجہ اُس کی نہایت شریف النسب اور قابل تھی ۔ ریختہ گوئی میں کمال مہارت بہم پہنچائی تھی ۔ علاوہ ریختہ گوئی کے فارسی بھی کہتی تھی ۔ دو مطلعے اُردو اور ایک غزل فارسی گوش زد ہوئی :

یاد زلفت سر بسر داریم ما
شغل ایں شام و سحر داریم ما
گاہ سر بر سنگ و گہ بر سنگ سر
کے جز ایں شغل دگر داریم ما
گاہ در کعبہ و گہ در بت کدہ
جستجویت در بدر داریم ما
بیم و غم دیگر نمی دارم لطیف
لیک از محشر خطر داریم ما

یہ طفل اشک مرے جس گھڑی مچلتے ہیں
تو پھر ہزار سنبھالو نہیں سنبھلتے ہیں
یقیں نہ واللیل پر کریں گے جو تیرے گیسو نہ دیکھ لیں گے
رہیں گے مصحف سے بلکہ منکر جو ہم ترا رو نہ دیکھ لیں گے

حرف المیم

ماہ

ماہ تخلص ، منجھلی بیگم نام۔ دلی کی رہنے والی کوئی خانگی تھی ۔ یہ شعر اُس کا تحریر ہے :

ماہ کاہیدہ ہوا جاتا ہے ابرو دیکھ کر
دیکھ لو بن کر کے نکلا آج وہ شکل ہلال

ماہ

ماہ تخلص ، نام اس پردہ نشیں کا بھی اس کی طرح پردے ہی میں رہنا مناسب ہے ۔ اپنے پیر قطب الدین صاحب عرف میاں کالے صاحب دہلوی مرحوم کی وفات کے بیس روز بعد اس نے بھی رحلت فرمائی ۔ دیوان فارسی اور اُردو اس کے دونوں غیر مطبوعہ غدر میں برباد ہو گئے ۔ ایک شعر مستزاد ہاتھ آیا سو تحریر ہے :

ماہ کے دل میں جو ترا نقش محبت ہے یار
- - - - - - - - - - نہ مٹے گا وہ کبھی
باغ جنت بھی کوئی دیوے تو درکار نہیں
- - - - - - - - - - تیرے کوچے کے سوا

مخفی

مخفی تخلص ، زیب النساء بیگم نام ، دختر کلاں شاہ عالم گیر والا مقام ۔ عصمت میں لاثانی ، ذہن میں یادگار خاقانی ، فصاحت میں سحبان زمان ، صنائع بدایع میں مستثنائے جہان ، صورت نہایت خوب ، سیرت ارباب بصیرت کی مرغوب ۔ شعر و سخن کا ہر دم دل کو شوق تھا ، رسائی ذہن و بلندی فکر مافوق تھا ۔ طبیعت گرما گرم اور حاضر جواب تھی ، واقعی یہ عورت معرکۂ سخندانی میں اُس عہد کے مردوں میں انتخاب تھی ۔ جودت طبیعت اور شوخیِ ذہن جس دم دکھاتی تھی ، مشاعرے میں شاعروں کا رنگ اُڑاتی تھی ۔ ہر شام خیال شعر میں سحر کی ، صبح اسی فکر میں بسر کی ۔ اتفاقاً ایک روز گل گشت میں مصروف تھی اور طبیعت مضامین سے مالوف تھی ، خبر سے بادشاہ کا بھی گزر ہوا ، شعر خوانی کو منع فرمایا ۔ اس اثناء میں ایک بلبل سرِ شاخِ گل کہیں چہکا ، مخفی نے بے ساختہ یہ شعر موزوں کر سنایا : شعر

اے عندلیب ناداں دم در گلو گرہ گیر
نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد

بادشاہ کو یہ شعر سن کر ھنسی آئی اور شعر پڑھنے کی پھر اجازت فرمائی :

نقل دوم : ایک روز بادشاہ جم جاہ کسی باغ کی بارہ دری میں جلوہ افروز تھے ، دروں پر چلمنیں چھوٹی ہوئی تھیں ، زیب النساء بھی سیر کناں ادھر آئی ۔ لب جو ، آب رواں اور سبزۂ مطرا دیکھ کر طبیعت لہرائی ۔ معاً یہ شعر زبان پر لائی کہ : شعر

چہار چیز کہ دل می برد کدام چہار
شراب و سبزۂ و آب روان و روئے نگار

بادشاہ نے سن کر فرمایا کہ کیا پڑھا ؟ اُس نے فوراً بدل کر یوں سنایا کہ :

چہار چیز کہ دل می برد کدام چہار
نماز ، روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

نقل سوم : ایک روز زیب النساء کے دل میں مخفی کچھ خیال تھا اور یہ مصرع ورد زبان حال تھا : ع

از هم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

دفعتاً دل میں آیا ، شاعروں کے پاس ارمغان بھجوایا ، مصرعۂ اولٰی کی خواست گاری کی پر کسی سے مصرعۂ ثانی نہ پایا ۔ ناصر علی بھی اُس وقت موجود تھا ۔ اُس نے جوں ہی وہ مصرعہ سنا یہ مصرعہ موزوں کر کے سنایا کہ : ع

گویا رسید بر لبِ زیب النساء لبم

اس مصرعۂ لاجواب سے اگرچہ خوش ہوئی ، مگر ایسی ظرافتِ گستاخی آمیز سے جبین صاف کو آشنائے چین ملال کیا ۔ ابرو کو چڑھا کے نہایت غصے میں یہ شعر لکھ کر ناصر علی کو بھیج دیا :

ناصر علی بنام علی بردۂ پناہ
ورنہ بذوالفقار علی سر برید مست

باوجود اس شباب کے شادی کا دل میں نہ خیال کیا ، بحالت ناکتخدائی ۱۱۱۲ ہجری میں انتقال کیا ۔ کابلی دروازہ دھلی میں مقبرہ ہے ، یہ کلام اس کا زیب تذکرہ ہے :

سنبل زلف ترا نسبت مو یعنی چہ
گل امید مرا نشۂ بو یعنی چہ
من کجاو ھوس بزم مسرت ز کجا
شیشۂ بخت مرا راہ گلو یعنی چہ

نیست گر قصد مه و مهر طواف در تو
رفتن شام و سحر کوے بکو یعنی چه

کرده تقلید خط و حسن تو مخفی ورنه
روز و شب هر دو بهم روے برو یعنی چه

مجنون ترا خانه به ویرانهٔ عشق است
هر جا که وطن ساخت جنون خانهٔ عشق است

زخمیست زخم عشق تو مرهم پذیر نیست
زخم محبت است بلے زخم تیر نیست

اے کوه کن میان بیابان مرو ز عشق
خوناب دل ز دیده روان کم ز شیر نیست

مخفی ز گفتگوے حقیقت خموش باش
چون عندلیب اگر بگلش هم صفیر نیست

پروانه صفت آتش دل بال و پرم سوخت
چون شمع شب هجر ز تا پا بسرم سوخت

مخفی ز شرر بود مگر بادہ ات امشب
کز شعلهٔ آن مشت خس خشک و ترم سوخت

اگر ز نور تجلی شود دلیل مرا
ز لوح سینه بود محو قال و قیل مرا

مرغ دل را در محبت قصد صیادے بس است
طفل صاحب فهم را تعلیم استادے بس است

برو مخفی بحمد الله که آخر
برهمن وار زین بت خانه رفتی

بهر یک قطرهٔ آب شکمت بشگافند
اے صدف تشنه بمیرو سوے نیسان منگر

رباعی

من ز دل تنگ و دل ز من تنگ است
صحبت ما چوں شیشہ و سنگ است
عخیا کے رسی بہ منزل دوست
راہ تاریک و مرکبم لنگ است

دیگر

بلبل از گل بگذرد گردر چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برھمن بیند مرا
در سخن پنہاں شدم مانند بو در برگ گل
ھر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

مشتری

مشتری تخلص ، موسوم بہ قمرن جان ، معروف بہ منجھو ۔ لکھنؤ کی رھنے والی ، شاعری میں خیال بے مثالی ۔ طبیعت نہایت تیز ، فکر رسا ھے ۔ میاں شمس کی تعلیم یافتہ ہے ۔ ماشا اللہ جیسے آستاد کی مشہور طبیعت ھے ، ویسی ھی زھرہ اور مشتری کو شہرت ھے ۔ اورکیوں نہ ھو ، جب تعلیم میں آستاد صاحب اس قدر خیال سے بتائیں تو شاگرد کیوں کر نہ گھر گھر شہرت پائیں ۔ واقعی یہ کہ حضرت شمس نے ان دونوں پرکالۂ آتش کو ایسا چمکایا ھے کہ فلک پر زھرہ و مشتری کا رنگ آڑایا ھے ۔ اگر چندے اسی طرح تعلیم پائیں گی تو بیمشتری اپنے تئیں فلک پر پہنچائیں گی ۔ سات برس کی عمر سے اس شاعرہ کو شوق نوشت و خواند ھے ،

یہ ستارہ جلوہ ریزی، حضرت شمس سے بڑھتے بڑھتے اب چودھویں رات کا پورا چاند ہے ۔ خیر سے سامان ظاہری سے درست اور اللہ کی دی ہوئی کچھ جائداد ہے ۔ مسجد ، امام باڑہ ، باغ ، مکان قدیم الایام سے بہ مقام خیر آباد ہے ۔ اُردو فارسی نظم ، نثر اور تاریخ گوئی ، ان کے سوا مشق خط خفی و جلی سب میں طاق ہے ، مگر پندار میں بھی شہرۂ آفاق ہے ۔ غرض ایسے اُستاد شفیق کے سبب سے فن شعر کا کوئی دقیقہ نہیں باقی ہے ، وہ کون بزم مشاعرہ ہے جہاں شمس و زہرہ و مشتری کی نہیں مشتاق ہے ۔ یہ شاعرہ ہر فن میں کامل کیوں نہ ہو ، اس کا اُستاد بھی تو صاحب کمال ہے ؛ دیکھیے مشتری عطارد رقم کا ۲۳ برس کی عمر میں ایسا ہو جانا اُستاد کی صاحب کمالی پر دال ہے ۔ سبحان اللہ کیا ذہن آسمان پیوند ہے ، کوئی جھوٹ سمجھے یا سچ ، ایک کے دل کی دوسرے کو کیا خبر مگر ہمیں تو جی سے اُس کا کلام پسند ہے ۔ ہاں اس قدر افسوس ہے کہ اس لیاقت علمی پر اپنے نزدیک بہت دور ہے ۔ جس آدمی میں جوہر لیاقت بھی ہے اور انکساری بھی ہے وہ تو نورٌ علیٰ نور ہے : شعر

بتوں نے حسن پر نخوت اگر سیکھی تو کیا سیکھی
نکو رو ہو کے بد خصلت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

مگر یہ جو اس کو نخوت ہے ، کب خالی از حکمت ہے ۔ ہماری رائے میں یہ وہ ٹیکا ہے جس نے نظر بد سے اس کو بچا رکھا ہے ۔ المختصر جو انداز ہے اچھا ہے ، اب صفحۂ بہارستان ناز اُس غنچہ دہن کے گل ہائے اشعار سے گل بہ دامن ہے ، و ھو ھذا :

ناحق ہیں ناز حسن سے یہ بے نیازیاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

تھی جن سے مجھے پھول چڑھانے کی توقع
کانٹے بھی وہ لے کر مرے مدفن پہ نہ آئے
یاں عرش پر دماغ ہے اور خاکسار ہیں
جس کی جگہ دلوں میں ہے وہ ہم غبار ہیں
بوسہ اس بت کی جبیں کا لیا چندن ہو کر
ہوا ہم دوش میں زنار برہمن ہو کر
گورا رخ چوم کے ہم زلف کا بوسہ لیں گے
پہنچیں گے کشور تاتار میں لندن ہو کر
برسا کرتے ہیں جدائی میں تری برسوں سے
ابر دیدہ کبھی بھادوں کبھی ساون ہو کر
لوٹنے کو گل نظارۂ رخسار صنم
پردۂ دیدۂ تر پھیلے ہیں دامن ہو کر
گورا رخ بوسے سے نیلا ہوا اور غیظ سے سرخ
نسترن بن گیا لالہ، گل سوسن ہو کر
دسترس پا نہ سکا جب کسی ڈھب سے ہیہات
پہنچا دل ساعد محبوب میں کنگن ہو کر
دوستی کی دل ہم درد نے بے درد سے آہ
دشمنی دوست نے کی مشتری دشمن ہو کر
دل سے اخلاص گھٹا لطف گھٹا پیار گھٹا
پر نہ وہ ناز ترا اے بت عیار گھٹا
بے وفائی سے تری اپنی وفاداری سے
دل کئی بار بڑھا اور کئی بار گھٹا
خود فروشی کو جو نکلا وہ عزیز عالم
نرخِ حسنِ مہِ کنعاں سرِ بازار گھٹا

گئیں بھی آئیں بھی برسیں بھی گھٹائیں برسوں
بارشِ دیدۂ تر کا نہ کبھی تار گھٹا

مشتری ھجر کی شب امڈا ھے طوفان الم
تارے بھی نظر آتے ھیں، شب تار گھٹا

بل کی لیں عاشق حیراں سے نہ کیوں کر گیسو
سر چڑھے ھیں ترے اے آئینہ پیکر گیسو

دوش پر پریوں کے وہ اور یہ شانے پہ سوار
مرتبے میں ھیں سلیماں کے برابر گیسو

صاف چوٹی کی یہ ھاتھ آئی ھیں دو تشبیہیں
چہرہ آئینہ ھے، آئینے کے جوھر گیسو

چہرہ بالوں میں ھے اور پیش نظر آئینہ
گیسو میں آئینہ، آئینے کے اندر گیسو

پاس اغیار ھو کیا جب کہ نہیں یار کا پاس
بل کی شانے سے بھی لیتے ھیں الجھ کر گیسو

چال بھونچال ھے انداز و ادا قہر و بلا
قد جو محشر ھے تو ھیں فتنۂ محشر گیسو

اھل تنجیم کو ثابت ھوئے آثار کسوف
مشتری دیکھے جو اس ماہ کے رخ پر گیسو

رباعی فارسی

آنی کہ کسے ذات ترا نشناسد
ور بشناسد کسے چو ما نشناسد
صاحب کرمی و ما گدائے در تو
کس اھل کرم را چو گدا نشناسد

ماہ لقا

ماہ لقا، یہ عورت حسینان بازاری میں سے حیدر آباد کی رہنے والی ہے ۔ راجہ چندو لال متوفی نائب ریاست حیدر آباد کی منظور نظر ہے ۔ سیدھی سادی سخن ور ہے ۔ یہ ایک شعر اس کے اشعار سے منتخب ہوا :

پہلے ہی سے چلا کے مرے دل کو ستا مت
اے مرغ سحر! چپ رہ ابھی آنکھ لگی ہے

محبوب

محبوب تخلص، نواب محبوب محل بیگم نام، منکوحہ واجد علی شاہ صاحب ۔ اس کے سوا اور صفات اس شاعرہ کی معلوم نہیں ۔ یہ اشعار اس کے کلام سے منتخب ہو کر لکھے جاتے ہیں :

اٹھا سکی نہ مصیبت فراق یار میں روح
نکل گئی تن لاغر سے انتظار میں روح
جو آنا ہو تجھے مدّ نظر تو آ ظالم
نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں روح
نہ نکلی حسرت دل ایک بھی کہ موت آئی
ہمیشہ تڑپے گی تیرے لیے مزار میں روح
ہے آرزو ترے ہاتھوں سے قتل ہوں میں بھی
لگی ہوئی ہے تری تیغ آبدار میں روح
اسی کے حکم میں ہے موت و زندگی محبوب
حقیقةً ہے دلا دستِ کردگار میں روح

مخفی

مخفی تخلص ، سلطان جہاں بیگم نام ۔ صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر دہلوی کی بیوی تھی ۔ سنا ہے کہ اس مرحومہ کا کلام بہت ہے ۔ الا یہ دو شعر اس کے میسر آئے ہیں :

لڑھائی مے کہ پئیں خفتگان خاک شراب
قسم خدا کی عسس کو بڑا ثواب ہوا
خدا جانے کیا بات ہے اس میں مخفی
کہ اس ظلم پر جی کو بھاتا بہت ہے

معشوق

معشوق تخلص ، حیدری خانم نام ، فیض آباد کی رہنے والی اور یہ اس کا کلام :

پان کھا کر جو کہیں تھوک دیا اس گل نے
رشک یاقوت بنے باغ کے کنکر پتھر

مغل

مغل تخلص ، نام بیبا جان ہے ، اصلی والی پہاڑی پر دہلی میں مکان ہے ۔ مغل جان نام سے زیادہ مشہور ہے ۔ ستار اچھا بجاتا ہے ، خانگی کہاتی ہے ۔ ناچنے گانے کو دور سے مجرا کرتی ہے ۔ یہ اس کے اشعار حوالۂ نوکِ خامہ ہیں :

جستجو تیری مجھے بعد از فنا تھی میں نہ تھا
روح میری طائر قبلہ نما تھی میں نہ تھا
شاخ گل گلشن میں اس پر اس طرح دو رانے ہاتھ
اے مغل کیا کیجیے اس گل کا ساتھی میں نہ تھا

حال دل کا جو کچھ کروں اظہار
واجب الرّحم سمجھے وہ دل دار
رات دن اے مغل تصور میں
مثل بلبل رہوں ہوں زار نزار
بے وفائی نہ کر خدا سے ڈر
خود نمائی نہ کر خدا سے ڈر
بحر الفت کا انتہا ہے کہاں
آشنائی نہ کر خدا سے ڈر
کیوں جلاتا ہے اور مارتا ہے
بت خدائی نہ کر خدا سے ڈر
وہ برا ہے تو اس کو ہونے دے
تو برائی نہ کر خدا سے ڈر

منو

منو، ہم‌نام و ہم تخلص - یہ کوئی عورت نامعلوم‌الحال والکیفیت ساکن کرنال ہے - یہ دو شعر اس کے حوالۂ خامہ ہیں:

تو نے کر دیکھا ہر اک سے بت رعنا اخلاص
جب ہوا نقش ترے دل پہ ہمارا اخلاص
تم سنو یا مت سنو اے جان من
پر دعا ہر صبح دے جاتے ہیں ہم

مہتاب

مہتاب تخلص اوریہی نام ۔ کوئی عورت بازاری بریلی کی ہے ۔ یہ ایک شعر اس کا سنا گیا :

دل اٹھاتا ہے مرا جور و جفا کیا کیا کچھ
آہ کرتا ہے وہ عیار دغا کیا کیا کچھ

مہر

مہر تخلص ، جینا جان نام ، کالی مشہور ، کرنال اس کا مقام ۔ یہ کلام اس کا ہے :

بوقت نزع بالیں پر سے آئے تو کیا آئے
دم آخر جو تم کو ایک دم دیکھا تو کیا دیکھا
یوں چمکتا داغ ھجراں مہر کے سینے میں ہے
جس طرح فانوس میں ہو زیر پیراہن چراغ
ھم کو سینے سے لگانا چاھیے
غیر کی چھاتی جلانا چاھیے

مدنیہ

مدنیہ تخلص ، مدنیہ مغلانی نام ، ریاض قصاید میں یہ دو شعر اس کے تحریر ھیں ، اچھے ھیں بلکہ عدیم النظیر ھیں ۔ یہ شاعرہ ارسطو جاہ کے وقت میں بمقام دکن گزری ہے :

تہمتنے کہ نہد زین گرپہ پشت سمند
ہزار بہمن و بیزن در تو رو نکند
امیر اعظم لقمان خسرو ارسطو جاہ
کہ نام نامش از فرش تا بعرش بلند

محترم

محترم تخلص ، نامعلوم الاسم ، دختر ملا علی مشہدی ، زوجہ میر مرتضیٰ رمانی کا یہ ایک شعر ہے :

صداعے کز غمے داری ز بخت سرنگون خود
قدح را ہمدم خود ساز خالی کن درون خود

مہری

مہری تخلص ۔ تذکروں اور تواریخوں میں اس کے اگرچہ مختلف حالات ہیں ، الاّ ذیل میں چند حکایات معتبرہ تحریر ہیں ۔ یہ شاعرہ شاہ رخ مرزا کے عہد میں گوہر شاہ بیگم کی ملازمہ اور جلیس تھی ، تقی اوحدی کی ہم عصر اور بیگم موصوف کی انیس تھی ۔ خواجہ حکیم عبد العزیز سرکاری طبیب کی زوجہ ، اصل اس کی کوکان سے ہے ۔ کہتے ہیں کہ یہ شاعرہ بیگم ممدوح کے بھانجے سے میل طبیعت رکھتی تھی ۔ اس کے خاوند نے اس اشتباہ میں مقید کر دیا تھا ۔ اس نے بحالت قید یہ رباعی لکھی تھی :

رباعی

سرکندہ نہاد سروِ سیمیں تن را
زیں واقعہ شیون است مرد و زن را
افسوس کہ در کندہ نخواہد سودن
پائے کہ دو شاخہ بود گردن را

نقل ہے کہ ایک روز سلطان مسعود مرزا یعنی خواہر زادۂ گوہر شاہ بیگم اس شاعرہ کو لیے معہ عبیدی شاعر کے اختیار الدین کے قلعے پر جو ہرات میں مشہور مقام ہے ، رونق افروز تھا ۔ اُس کا خاوند بھی کہیں دور سے نظر آیا ، مرزا نے بہ تبسم اشارہ کیا ۔ اُس نے یہ شعر بدیہہ سنایا : شعر

کردم بر اوج برج مہ خویشتن طلوع
ہاں اے حکیم طالع مسعود من نگر

المختصر یہ کلام اُس کا تحریر ہے :

وہ چہ پستان دو ترنج شباب
زدہ بر خوش لطافت دو حباب

رباعی

در خانہ تو انچہ مرا شاید نیست
بندی ز دل رسیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال
آرے ہمہ ہست انچہ می‌شاید نیست

دیگر رباعی

مہری زن نوجوان اگر پیر بود
چون پیر بود ہمیشہ دل گیر بود
آرے مثل است آنکہ گویند زنان
در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

حلِ ہر نکتہ کہ بر پیر خرد مشکل بود
آزمودیم بیک جرعۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت مے
درِ ہر کس کہ زدم بیخود و لایعقل بود
خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع
داشت از خود بزبان انچہ مرا در دل بود
دولت بود تماشائی رخت لیلی را
حیف صد حیف کہ آن دولت مستعجل بود

گفتم بیا بمردمک دیدہ ام نشین
گفتہ کہ من بخانۂ مردم نمی روم

حرف النون

نقاب

نقاب تخلص ، حمیدہ بائی نام ، کلکتۂ خاص اس کی پیدائش کا مقام ۔ رام پور سے ڈھاکہ تک کی یہ شاعرہ خوب سیر کیے ہوئے ہے ۔ طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے ، کسی طرح‌دار کو دل بھی دیے ہوئے ہے ۔ حالاں کہ مال دار ہے مگر طبیعت میں انکسار ہے ۔ چوٹی ناگن ہے ، زلف بلا ہے ، گانے میں بھی خوب صورت گلا ہے ۔ اس کے ناچ کے ٹھاٹھ نامی کتھکوں کو انگلیوں پر نچاتے ہیں ، بتانے کے ڈھنگ تماشائیوں کو ملک عدم کا سیدھا راستہ بتاتے ہیں ۔ بھاؤ میں لبھاؤ ہے ، بگڑنے میں بھی بناؤ ہے ۔ سولہ برس کا سن ، جوانی کے ارمان نکلنے کے دن ۔ شاعری سے رغبت ، عروض میں ضروری مداخلت ۔ یہ رشک زہرہ شاگرد بے حجاب ہے ، کیوں نہ ہو یہ شاعرہ بھی تو اپنی ہم‌عصر شاعرہ میں انتخاب ہے ۔ اسی حجاب میں اپنی ہمشیر کلاں سے مشق سخن کرتی ہے ۔ اس کے کلام سے منتخب اشعار تحریر ہیں :

آنکھوں سے آب رشک بہایا نہ جائے گا
طوفان نوح مجھ سے بہایا نہ جائے گا

میرے بجائے اس نے عدو کو بٹھا لیا
یہ داغ رشک مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا

وہ اور وصل غیر یہ اس محال ہے
تسکین دے رہا ہے مجھے یار کا حجاب

ہمارے خط کے پرزے کس لیے وہ بھیجتا ہم کو
جواب نامہ پر تکرار قاصد نے مقرر کی
نقاب اور کوچہ گردی خاکساری آبلہ پائی
عدو اور آستانِ دلربا خوبی مقدر کی

وہ ہجراں کے صدمے اٹھائے ہوئے ہیں
کہ ہاتھوں سے دل کو دبائے ہوئے ہیں
اگر سر کروں، جائیں چوتھے فلک پر
یہ نالے مرے آزمائے ہوئے ہیں
فلک[1] کے، عدو کے، دل غم زدہ کے
کہیں کیا کہ کس کے ستائے ہوئے ہیں
دور سب سے بزم جاناں میں میں بیٹھا رہ گیا
یہ نہ بولا ہائے کوئی "ایک بیمانہ آسے"
اس سے اور امید رحم اے حضرت دل خیر ہے
آپ تو نام خدا عاقل تھے کیا جانا آسے
ذرا مجھ کو! سونے دے اے شور محشر
شب ہجر کے ہم جگائے ہوئے ہیں
وہ کیا منہ دکھائیں گے محشر میں مجھ کو
جو آنکھیں ابھی سے چرائے ہوئے ہیں
نہ تھے گھر میں غیروں کے میں نے یہ مانا
مگر کچھ تو ہے جو لجائے ہوئے ہیں

۱۔ انتشار خاطر بھی ایک صفت ہے ۔

ناز

ناز تخلص ، نام بندی جان ۔ حسینان بازاری عظیم آباد سے ہے اور یہی قدیم اس کا وطن ہے ۔ بھولی صورت ، سانولا رنگ ، غنچہ دہن ، پچیس برس کی عمر ہے ۔ حکیم آغا حسن صاحب ازل تخلص لکھنوی سے سخن کی مشق بڑھائی ہے ۔ پاٹ دار آواز ہے ، گول سُر میں گاتی ہے، علم موسیقی میں معلومات ایسی کہ اس فن کے استادوں کو اس کے نکات بتاتی ہے ۔ تہذیب اور اخلاق میں خلقت کی مقبول؛ اردو ، فارسی ، انگریزی میں دست‌گاہ معقول ۔ ان صفات پر یہ صفت فوق لیے ہوئے ہے کہ اس شاعرہ کا سینا قابل‌داد ہے ، یعنی سوئی کے کام میں اپنے ہم عصروں کی استاد ہے ۔ یہ اس کا کلام درج تذکرہ ہوتا ہے :

اُن کو جانا تھا مرے پاس سے گر وقت اخیر
شکل اک بار مجھے اور دکھاتے جاتے
ناتوانی کا برا ہو نہیں اٹھنے دیتی
رہ گئی کوچۂ دل‌دار میں جاتے جاتے
اُن کی محفل میں کہاں ہم سے غریبوں کا گزر
دیکھ لیتے ہیں مگر راہ میں آتے جاتے
سر محفل میں رقیبوں سے اُلجھ پڑتا ہوں
گو وہ ہر بات پہ زانوں ہیں دباتے جاتے
خیر وہ بھی ہمیں کیا یاد کریں گے اے ناز
دل اُنھیں آج دیے جاتے ہیں جاتے جاتے

ہاتھ جینے سے جب کہ دھو بیٹھے
بحر اُلفت میں دل ڈبو بیٹھے
چھوڑ کر اپنی بادشاہی کو
تیرے در پر فقیر ہو بیٹھے

ہم تو جاتے ہیں او ستم ایجاد
تیرے پہلو میں چاہے جو بیٹھے
میری تربت دکھا کے کہتے ہیں
اپنے ہاتھوں یہ جان کھو بیٹھے

رباعی

کچھ حال فراق ہم تو اکثر کہتے
پر پوچھتے ہیں کہ خاک پتھر کہتے
غیروں سے کہاں ہے ان کو فرصت اے ناز
کہتے بھی کسی روز تو کیوں کر کہتے

بگڑے نہیں ہم سے تم کہ غصا نہ کیا
لیکن کبھی ہم نے یار شکوا نہ کیا
سب ظلم سہے خوشی سے ہم نے اب تک
غیروں سے ملے آپ یہ اچھا نہ کیا

نازنین

نازنین تخلص ، مالکی نام - یہ شاعرہ ضلع مرزا پور کی قدیم رہنے والی ہے ، مگر اب بنارس جائے قیام ہے - چودہ برس کی عمر سے شوق بندش مضامین ہے ، لیکن اپنی ہی طبیعت کی شاگرد یہ نازنین ہے - گانا ناچنا اس کا بنارس میں مشہور ، معشوق بھی خوب‌صورت ہے ، چشم بد دور - بائیس برس کا سن و سال ہے ، مزاج میں خلق کمال ہے - القصہ یہ اشعار اس کے بلا انتخاب درج ہوتے ہیں :

رک گیا دل جو مرا قابل افغاں ہو کر
رہ گئے برہمیِ دہر کے ساماں ہو کر
اپنے کشتے کو تو ٹھوکر سے جلاتے جاؤ
پھر کے جاتے ہو کہاں عیسیٰ دوراں ہو کر
نازنیں جوش صفا یہ ہے کہ میرا کینہ
رخ سے ظاہر ہے ترے قلب میں پنہاں ہو کر
جوہرِ خنجرِ قاتل جو گل افشاں ہو جائے
تنِ مجروح مرا رشک گلستاں ہو جائے
دم مسیحا نہ بھریں اپنی مسیحائی کا
گر کہیں شہرۂ جاں بخشیِ جاناں ہو جائے
امتحانِ دلِ عاشق جو انھیں ہے منظور
یا خدا جلد یہ مشکل کہیں آساں ہو جائے
دل میں ہے میرے خیالِ زلفِ جاناں آجکل
دیکھتا ہوں شب کو میں خوابِ پریشاں آجکل
سر میں سودا ہے مرے زلفِ سیاہِ یار کا
خوش مجھے آتی ہے سیر سنبلستاں آجکل
جب کبھی پرتو فگن تیرا رخِ روشن ہوا
گھر بنا برجِ قمر اختر ہر اک روزن ہوا
دم بدم بسمل تڑپتا خوب جی کو کھول کر
پر ادب آموز اے قاتل ترا دامن ہوا
جاں دی میں نے جو اس چشم سیہ کے عشق میں
سیر گاہِ آہوانِ چیں مرا مدفن ہوا
کس صاحبِ حیا کی آمد ہوئی چمن میں
نرگس نے منہ چھپایا پتوں کے پیرہن میں

اس مہروش نے رخ کو کاکل میں جب چھپایا
چوٹی کی بات سوجھی مہ چھپ گیا گہن میں

نازک

نازک تخلص ، زینت جان نام ہے ، نہ سکونت سے اس کی خبر نہ نشانِ مقام ہے ۔ یہ دو شعر اس کے یاد تھے، لکھ دیے گئے :

یاد آتی ہے ان آنکھوں میں آمد وہ نشے کی
ساقی مئے گل رنگ سے جب جام بھرے ہے
ہے نالہ و زاری کا مرے شور فلک تک
پر وہ بتِ مغرور کبھی کان دھرے ہے؟

نازک

نازک تخلص ۔ فی الواقع نازک اندام ، نقشہ اچھا مگر سیاہ فام ۔ مشکی رنگ ، دنیا سے نرالے ڈھنگ ۔ بی کالی فتن نام ، دانا آدمی کا بے وقوف بنا لینا اس پر تمام ۔ پہلے مرزا شاہ رخ شاہزادہ دھلوی کی گائنوں میں تھی ، امام خان مطرب کی ترغیب سے خوب ناچنے گانے لگی ، منا جان رنڈی کے ڈیرے میں آنے جانے لگی ۔ پھر اپنا گھر جدا بنا لیا ، دو چار آنکھوں کے اندھوں کو دام تزویر میں پھنسا لیا ۔ گانے میں یورپ کا پورا پورا برتاؤ اور وہی ساری ترکیب ہے ، اچھا چالاک امیر ایک قدم اس کے دروازے میں رکھ

دیکھیے ، باھر آتے آتے خاصا محتاج اور بنا بنایا غریب ہے ۔ کئی سال سے کسی بھلے مانس کے گھر میں بیٹھ رہی ۔ اب بھی کفن کا لالچ ہے ، باور فرمائی کا جھوٹ نہیں ، سب سچ ہے ۔ یہ اشعار اُس کی زبانی سنے ہوئے تحریر ہیں :

کہتا ہوں میں خدا سے یہ اب ماجرائے دل
ایسا نہ ہو کہ میرا کسی بت پہ آئے دل

ڈرتے رہو خدا سے بتو ظلم مت کرو
ایسا نہ ہو کہ تم کو کوئی دے سزائے دل

نازک شب فراق میں اتنا نہ روئیے
اشکوں کی جا نکل نہ پڑیں لخت ہائے دل

ناز

ناز تخلص ، نام امیر جان ، بنت گوہر جان ، حسینان بازاریہ لکھنؤ سے ہے ۔ یہ اشعار منتخب اُس کی غزل کے لکھے جاتے ہیں :

اپنے پہلو میں جگہ دی سر محفل مجھ کو
دل دہی یار نے کی دیکھ کے بے دل مجھ کو

لے گیا بام پہ وہ حور شمائل مجھ کو
آج معراج کا رتبہ ہوا حاصل مجھ کو

کر کے تیغ نگہ ناز سے بسمل مجھ کو
دیر تک غور سے دیکھا کیا قاتل مجھ کو

اور مہماں ہوں کوئی دم کا ذرا ٹھیرو تو
کیا چلے جاؤ گے اب چھوڑ کے بسمل مجھ کو ؟

گرمیاں یار نے کیں غیر سے میرے آگے
صفتِ شمع جلایا سرِ محفل مجھ کو
چشمِ احباب میں افزوں مری عزت ہو جائے
تم جو تو کہہ کے پکارو سرِ محفل مجھ کو
نازِ احباب کی خاطر سے لکھی میں نے غزل
گو کہ دیتا تھا اجازت نہ مرا دل مجھ کو

ناز

ناز تخلص ، نام معلوم نہیں ۔ یہ شاعرہ شہزادی ہے خاندان تیموریہ سے ۔ امامیہ طریق پسند ہے ، عمر رسیدہ ہے ، اب نہ محتاج ہے نہ دولت مند ہے ۔ یہ اشعار اس کے حوالۂ خامہ ہیں :

دام زلف سیاہ اس کی سے
نہ بنا کوئی ڈھب رہائی کا
کر غلامی علی کی تو اے ناز
ہے اگر دھیان بادشاہی کا
مجھ سے روٹھا وہ یار جانی ہے
جان جانے کی یہ نشانی ہے

ناز

ناز تخلص ، نام بیجان ؛ فرخ آباد کی رہنے والی شاہد بازاری ؛ شیوہ عیاری ۔ یہ ایک شعر اس کا ہے :

زهرہ بلائیں لینے لگی آسماں پر
توڑا لیا جو ناچ میں اُس نے اُلٹھا کے ہاتھ

نزاکت

نزاکت تخلص، نام اس کا رمجو۔ نارنول کی رہنے والی، نہایت خوش گو ہے۔ مدتوں شہر فیض آباد شاہجہان آباد میں عیش و عشرت سے بسر کرتی رہی، ہر شام اُمید کو ہم دوشی شاہد مراد فکر سے سحر کرتی ہے، یعنی شعر گوئی کا ہر وقت خیال رہا، فکر سخن میں ہمیشہ ایک حال رہا۔ آخر قضا نے اُس مصرعۂ برجستۂ خوبی کو یاد کیا، عین شادی میں ناشاد کیا۔ بعالم حیات جس میں رہا کرتی تھی، بمقام دہلی چرخہ والوں میں وہ مکان ہے، اب حضرت سلطان جی صاحب میں اُس کی قبر کا اک نشان ہے۔ یہ اشعار اُس کے زیب خامہ ہیں:

بس کہ رہتا ہے یار آنکھوں میں
ہے نظر بے قرار آنکھوں میں
محفل گل رخاں میں وہ عیار
لے گیا دل ہزار آنکھوں میں
سرمۂ خاک پا عنایت ہو
آ گیا ہے غبار آنکھوں میں

کہیے جو رقیبوں سے برائی تو کہے وہ
ہے وہ ہی وفادار جو ایسی ہی نباہے

بھا ہے خون دل سے سر قدم تک جا بجا میرے
بنایا تھا مجھے گویا کہ خاک کوے قاتل سے

کہتا ہے آپ کی بھی ہے کیا عاشقی غلط
گر کہیے تیرے عہد میں اُلفت نہیں رہی

کیا کیا عذاب اُٹھائے ہیں اندوہ عشق کے
جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی

ہوں نزاکت ولے کوئی کیا ذکر
دم رخصت ترے سنبھال سکے

ہے شوق پنہاں کی تاثیر دیکھو
کہ دلدار بھی دل ربا جانتا ہے

نزاکت ہوں ہر ناتوان محبت
لطیفہ ہے نام کا جانتا ہے

کیوں نہ میں قربان ہوں جب وہ کہے ناز سے
ہم کو جفا کا ہے شوق اہل وفا کون ہے

نا منصفی اور اے بت بیداد گر ایسی
چاہت تری غیروں کو بھی ہوگی مگر ایسی

حرماں ہے اگر چاہ کی تعزیر تو ظالم
تقصیر نہ ہوگی کبھی بار دگر ایسی

ہم بزمئی دشمن کو چھپاتا ہے تو قاصد
کہتا ہے کسی سے کوئی نادان خبر ایسی

نورجہاں

نورجہاں بیگم اور اس کا نام نور محل بھی تھا ۔ یہ عورت نہایت حسین اور بہت صاحب جمال ، علم بلاغت میں یکتائے زمان تھی ۔ تواریخ سے ثابت ہے کہ اس کا باپ ایک شخص خواجہ ایاز نام قوم تاتاری میں عالی خاندان تھا ۔ گردش فلکی سے محتاج ہوا ۔ پھر درویش بجان درویش ، اس دل ریش نے وطن کو چھوڑا ، اقارب سے منہ موڑا ، صرف اپنی زوجۂ دل نواز کو ہمراہ لے کر سفر ہندوستان اختیار کیا ۔ اس کی زوجہ حاملہ تھی ، تاتار اور ہندوستان کے درمیان اک دشت صعوبت آگین میں لڑکی پیدا ہوئی ۔ بس کہ مادر و پدر اس کے خود اپنی زیست سے بیزار تھے ، اس کے پیدا ہونے کو اور نحوست طالع تصور کیا اور سوچے کہ ہم خود آوارہ و سرگرداں ہیں ، اس کو کیوں کر پرورش کریں گے ۔ اس میدان میں ایک جگہ اس نورِ جہاں نورِ جبیں کو ڈال کر چلے ۔ جب تھوڑی دور نکلے تو آلفت مادری نے زور کیا ، آگے قدم نہ اٹھ سکا ۔ ناتوانی اور غم جدائی نے جا بجا اس کو بٹھایا ، راستہ چلنے میں ہر قدم پر گرایا ، اور علیٰ ہذالقیاس ایاز کی بھی ایسی ہی حالت تھی ۔ آخر ایاز نہ رہ سکا اور واپس جا کر دیکھا کہ اس حور وش کے جسم صندلیں پر ایک سانپ لپٹا ہوا ہے اور اپنا منہ اس کے منہ پر رکھے ہوئے پڑا ہے ۔ دیکھتے ہی سمجھا کہ ایک دم میں یہ اس مار کی لقمۂ دہن ہو جائے گی ، یعنی نور جہاں سانپ کا من ہو جائے گی ۔ جب یہ قریب آیا تو سانپ اپنے مسکن میں چلا گیا ۔ پھر بغور دیکھا تو زندہ پایا ، اٹھایا اور گلے لگایا اور اپنی

زوجہ کو دکھایا ، اُس نے دیکھا تو دل میں قرار آیا ، پھر دونوں نے قدم آگے بڑھایا ۔ ان کی نحوست طالع خوشی سے بدل گئی ، دایۂ اقبال کی مدد ہوئی ، بلا رد ہوئی ۔ نورجہاں اچھی طرح سے پل گئی ۔ ایک روز راہ میں قافلہ مسافروں کا ملا ۔ اُنھوں نے ان دونوں کا حال پُر ملال دیکھ کر رحم کیا اور متفق ہو کر کچھ زاد راہ اُن کو دیا ۔ انھوں نے سجدہ شکر بجناب قاضی الحاجات ادا کیا اور وہاں سے بعیش تمام طے منازل کرتے ہوئے لاہور میں وارد ہوئے ۔ ایاز مرد دانا اور صاحب جوہر تھا ، چند روز میں عہدۂ بخشی گیری پر سرکار اکبر بادشاہ میں مقرر ہوا ۔ پھر اُس نے اپنی دختر کی تعلیم کے واسطے بہت سعی کر کے چند عورتیں صاحب خرد اور فاضلہ نوکر رکھیں ۔ تھوڑے عرصے میں نورجہاں کو فاضلوں پر فروغ ہو گیا ۔ شاہزادہ سلیم ابوالمظفر نورالدین جہانگیر بادشاہ نے جب شہرۂ حسن دل فریب اور قابلیت سنا ، متاع صبر و شکیبائی ہاتھ سے دے کر نقد جان اُس حسن بے بہا کے سودے میں لیے پھرتا رہا ۔ آخر الامر در پردہ رشتۂ محبت میں اُس گوہر ناسفتہ اور دُرِ بے بہا کو پرو دیا ۔ چوں کہ پہلے اس کی نسبت شیر افگن ترکمان سے ہو چکی تھی ، اکبر بادشاہ نے یہ ماجرہ سن کر اُس کے باپ کو جلد آمادہ کر کے بروئے عدالت فوراً شیر افگن خاں کے ساتھ شادی کرا دی ۔ شاہ زادۂ دل‌دادہ بباعث عدالت پدر اُس وقت تو مجبور ہو گیا ، جب عنان اقتدار سلطنت اس کے ہاتھ آئی بمراد حصول گوہر تمنا درپے تخریب شیر افگن خاں ہوا ۔ وہ روباہ صفت عرصے تک تو اس کے پنجے سے نکلا رہا ، آخر کو اپنے رقیب کا شکار ہوا ۔ یہ تشنہ آب سلطنت ماہ طلعت حرم سرائے شاہی میں داخل ہوئی ۔ ایک روز کسی امر میں بادشاہ اور اُس بیگم کے سوء مزاجی درمیان آئی ، بادشاہ نے بنظر عتابہ

نورجہاں بیگم کو دیکھ کر یہ مصرعہ پڑھا : مصرع

کل تو ہے ، ترا سر ہے ، شمشیر ہے اور میں ہوں

دوسرے روز نورجہاں بیگم اپنے روبرو طشت زرنگار رکھے ہوئے سر دھو رہی تھی کہ بادشاہ محل میں درآمد ہوئے۔ اس نے دیکھ کر یہ شعر پڑھا : شعر

کل تم جو یہ کہتے تھے شمشیر ہے اور میں ہوں
یہ طشت ہے اور سر ہے ، تقصیر ہے اور میں ہوں

نقل دوم : ایک روز بیگم ہمراہ بادشاہ کے چوسر کھیل رہی تھی اور محل کی مرمت ہو رہی تھی ۔ مدت مدید سے کوئی نواب عالی خاندان اس کے تمنائے دیدار میں سرگرداں تھا ۔ موقع جو ہاتھ آیا بزمرۂ مزدوراں شامل ہوگیا ۔ معمار کو وقت چونہ دینے کے یہ مصرعہ بطور مستزاد زبان پر لایا : ع

من در طلبت گرد جہاں می گردم

جب معمار نے پوچھا ''کیا'' ؟ تو کہا کہ ''گیر استاھک''۔ نور جہاں نے جب دو چار مرتبہ سنا تو جانا کہ یہ کوئی شخص میرا شیدا ہے ۔ کھیلتے کھیلتے یہ مصرعہ پڑھا : ع

گر باد شوی بر سر زلفم نرسی

بادشاہ نے کہا ''کیا تو نے کہا'' ؟ بولی ''شش پنج دو یک ۔''

نقل سوم : ایک دن بادشاہ نے عید کا چاند دیکھ کر نور جہاں سے مخاطب ہو کر یہ مصرعہ پڑھا : ع

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نور جہاں نے جواب دیا کہ :

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

نقل چہارم : ایک روز وقت شب عالم پناہ نے نور جہاں سے گفتگوئے ظرافت آمیز کرتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا : ع

زیرِ دامانِ تو پنہاں چیست اے نازک بدن؟

نورجہاں نے یہ مصرعہ سوالیہ سن کر یہ تین مصرعے بہ جواب پڑھے ع :

نقشِ سمِ آھوے چین است بر برگِ سمن
گر رود پیک صبا اندر دھانِ تنگِ او
قطرہ قطرہ می چکد لعلِ بدخشاں درِ یمن

غرض یہ اشعار لاجواب بھی اسی حاضر جواب کے ہیں :

بینی و چشم و دو ابروے تو اے گل اندام
شاخِ بادام ، دو بادام ، دو برگ بادام
نور جہاں گرچہ بظاہر زن است
در صف مرداں ، زن شیر افگن است
ھنگام سحر دلبر من جلوہ گر آمد
جاں بر لبم از قالب فرسودہ بر آمد
غافل منشیں اے دل غفلت اثر من
برخیز کہ ھنگامہ فزاے بسر آمد

رباعی

نورم ، نارم ، حدیقہ ام ، گلزارم
دیرم ، صنمم ، برھمنم ، زنارم
نے نے غلطم ھر آنچہ گفتیم نیم
بوئے گلم و طبیعت گلزارم
ز نار عشق گر ظاہر کنم گل درچمن سوزد
اگر نالم بخلوت خانہ شمع انجمن سوزد

نہانی

نہانی تخلص ، نام سے آگاہی نہیں ہے ۔ سنا ہے یہ خو جلیس حرم بیگم والدہ سلیمان شاہ تھی ۔ باپ اس کا مشہور امرایا شاہی تھا ۔ جب اس عورت کو نوبت شباب آئی ، ملکوں سے خواستگاری نکاح میں پیغام آنے لگے ، اہل شوق کے تمنائے ہم کلامی میں کلام آنے لگے ، مگر اُس نے ایک کی نہ مانی ، اپنے دل پر یہی ٹھانی یہ رباعی لکھوا کر ہر کو و برزن میں چسپاں کرا دی اور عبارت اُس میں لکھ دی کہ جو اس کا جواب دے ، وہ مجھے نکا میں لے :

رباعی

از مرد برہنہ رو زر می طلبم
وز خانہ عنکبوت پر می طلبم
من از دہن مار شکر می طلبم
از پشہ مادہ شیرنر می طلبم

سعداللہ خاں وزیر شاہی نے یہ جواب لکھ دیا :

رباعی

علمیست برہنہ رو کہ تحصیل زر است
تن خانۂ عنکبوت و دل بال و پر است
زہر است جفائے علم و معنی شکرست
ہر پشہ کہ زو چشید آں شیر نر است

اور اُس مصرعۂ برجستۂ فصاحت و بلاغت کو اپنے مصرعۂ ذات سے چسپاں کر کے فرد کیا ، یعنی اُس گوہر درج عصمت کو سلک نکا میں کھینچ لیا ۔ یہ شعر اُس کے زیب قرطاس ہیں :

در مذهب ما توبه ز میخانه حرام است
زهد و ورع سبحهٔ صد دانه حرام است
با باده فروشان غم ایام حرام است
با دردکشان دولت بهرام حرام است
فرض است بعاشق که بنوشد مئے تجرید
با زاهد خود بیں مئے گلفام حرام است
قدم بخانهٔ چشمم بنه که جا اینجا است
رواقِ منظرِ خوبانِ خوش ادا اینجا است
سفر کردم به شهر عشق زادم عشق جاناں شد
غم دردیکه در دل داشتم آخر دو چنداں شد
رندان نظر بجلوهٔ دنیا نمی کنند
جز آرزوے ساغر صہبا نمی کنند

نسائی

نسائی - یہ شاعرہ نسل سادات سے تھی ، خراسان کی رہنے والی ، نام اس کا فخرالنسا تھا - شعرائے عصر اس کی یکتائی پر گواہی دیتے تھے - یہ اس کا کلام ہے :

شادم اگر دلم ز تو بے غم نمی شود
آرے غم تو از دل من کم نمی شود
مرہم میار بہر دواے من اے طبیب
کیں درد عاشقی است بمرہم نمی شود
سازد به داغ هجر نسائیِ خاکسار
چوں خاطرش به وصل تو خرم نمی شود

به عالم هر که را بینی بدل درد و غمے دارد
ز دست غم منال اے دل که غم هم عالمے دارد

عاشقی با قامتِ ابرو کمندی کرده ایم
با همه پستی تمنائے بلندی کرده ایم

نہانی

نہانی تخلص ، بیگم نام ۔ زیادہ احوال اس کا معلوم نہیں مگر یہ دو شعر اس کے لکھے جاتے ہیں :

خواهم که بآں سینه نهم سینهٔ خود را
تا دل بتو گوید غمِ دیرینهٔ خود را
تهِ زلفِ خالش بلائی نهان ست
به ترس از بلائے که شب درمیان است

نہانی

نہانی ، وطن اس شاعرہ کا کرمان ، بھائی اس کا خواجہ افضل دیوان ۔ یہ ایک شعر اس کا میسر آیا کہ تحریر ہے :

اگرچه مهر ز تقدیر لایزال بر آید
بماه من نرسد گر هزار سال بر آید

نہانی

نہانی ، اُس جعفر کی والدہ جو اکبر بادشاہ کے زمانے میں بمقام کشمیر بخدمت میر بحری مقرر تھا ۔ یہ شعر اُس کا درج تذکرہ ہوتا ہے :

روز غم شب درد بے آرام پیدا کردہ ام
درد مندی ھا دریں ایام پیدا کردہ ام

نجیبن

نجیبن نام ، تخلص معلوم نہیں ۔ اُردو بازار دھلی کی رھنے والی تھی ۔ سنا گیا کہ ضلع جگت پھکڑ میں مشہور تھی ۔ اپنے نزدیک چرب زبانی میں بہت دور تھی ۔ یہ ایک شعر اُس کا لکھا جاتا ھے :

ٹک دیکھو بعد مرگ مرے انتظار کو
نرگس نے چھا لیا ھے ھمارے مزار کو

نجیبن

نجیبن ، اس عورت کا حال سوائے نام کے معلوم نہ ھوا اور یہ شعر اُس کا مرقوم ھوا :

چشم بد دور گر یہی ہے آنکھ
دل جگر ھم تو دونوں کھو بیٹھے
ھوگئے دو جہاں میں وہ ھی غنی
تکیہ کر کر خدا پہ جو بیٹھے

نزاکت

نزاکت تخلص ہے اور کندو نام ، حسینی کی بیٹی ہے اور جے پور اس کا مقام ۔ طرحدار بھی ہے ، کسی قدر شوق ستار بھی ہے ۔ کچھ ایسی ویسی کچڑ خیل نہیں ، مشہور ڈیرہ دار ہے ۔ پڑھی ہوئی نہیں تو کیا ہے ، شاعری میں تو حسرت مشتری و سردار ہے ۔ میر واجد علی لکھنوی شگفتہ تخلص مقیم جے پور سے غزل درست کراتی ہے ، اس لیے کہ اللہ کی اصلاح اس کو بھاتی ہے ۔ یہ اشعار اس کے تحریر ہیں :

بلبل زار ہوں تو تیرا ہوں
میں گرفتار ہوں تو تیرا ہوں

ان فرشتوں کا واسطہ مجھ سے
میں گنہگار ہوں تو تیرا ہوں

ہوں نہ اچھا کبھی مسیحا سے
میں جو بیمار ہوں تو تیرا ہوں

نہ بوسہ رخ کا دیتے ہیں نہ گیسو چھونے دیتے ہیں
یونہی اک عمر گزری ہے کہ صبح و شام کرتے ہیں

ہوئے دو چار خوں گر ناگہانی سے عجب کیا ہے
وہ جب مہندی لگاتے ہیں تو قتل عام کرتے ہیں

نزاکت

نزاکت تخلص، نامعلوم الاسم بازار نشین، جس نے یہ غزل اپنے نزدیک بہ پیرایۂ جوابِ غزل بی مشتری لکھنوی مشتہر کی تھی۔ کہاں ذرہ کہاں آفتاب! کہاں نزاکت کے بھدے اشعار، کہاں مشتری کی غزل کا جواب:

نہیں گر ترے در پہ جانے کے قابل
یہ قسمت ہے کس کام آنے کے قابل
جسے دیکھیے بے وفا سنگ دل ہے
نہیں بت کوئی دل لگانے کے قابل
کہیں کیا، کیا ضعف نے کام اپنا
نہیں ہم رہے لب ہلانے کے قابل
اسی سے ہے درد و الم عاشقوں کو
یہ ہے نقش الفت مٹانے کے قابل
عبث ایک بے درد سے دل لگا کر
ہوئے ہم غم و غصہ کھانے کے قابل
اگر بزم میں ہو نہ ساقی نزاکت
تو پھر مے نہیں منہ لگانے کے قابل

حرف الواؤ

وزیر

وزیر تخلص ، وزیر جان نام ۔ ساکن خیر آباد ہے ، حال مفصل معلوم نہیں مگر یہ کلام اس کا یاد ہے :

کسی پردہ دار کا غم جو نہ پردہ دار ہوتا
تو یہ استخواں میں پنہاں نہ مرے بخار ہوتا

نہیں جب ثبات دنیا تو مجھے ترا گلہ کیا
مرے ساتھ عہد کیونکر ترا استوار ہوتا

کب حضرت عیسیٰ سے شفا ہونے کی مجھ کو
بیمار تو میں نرگس بیمار ہوں تیرا

تو میرا ہے ہمدرد تو میں تیرا ہوں اے دل
تو یار ہے گر میرا تو میں یار ہوں تیرا

کیوں دیتے ہیں تعزیر ، بتان ستم ایجاد !
یا رب میں اگر ہوں تو گنہگار ہوں تیرا

وزیر

وزیر تخلص ، وزیر النساء بیگم نام ہے ۔ مرزا خاور وارد پٹیالہ کی اصلاح ۔ اس کے کلام کو چمکایا ہے ، اس ذرے کو زمینِ شعر

کا آفتاب بنایا ہے ۔ یہ عورت ذی استعداد ممتحنۂ حلقۂ لاہور مشہور عام ہے ، زیب صفحہ اس کا متفرق کچھ کلام ہے :

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم
سرِ کویش ز دُرِ اشک خود رشک عدن دارم

خیالِ آں قدِ رعنائے زیرِ پیرہن دارم
چو فانوس آتشِ سوزاں درونِ جان و تن دارم

بہار و مطرب و ساقی و یار و ابر از ہر سو
خدا حافظ من اے یاراں دلِ پیماں شکن دارم

تو اے صیاد بر بستی اگر بال و پرم بارے
زبانم دہ کہ پیغامے بمرغانِ چمن دارم

بصحرا روح مجنوں می طپد از انتظارِ من
جنوں جوش کہ(کذا) من دل بستگی ہا باوطن دارم

غبارِ راہِ جاناں سرمۂ چشم من آوردی
صبا صد منتِ پایت بجان خویشتن دارم

وزیرم گرچہ در کنجِ تو آرے بودہ ام لیکن
سمندِ طبعِ جولاں گر بہ میدانِ سخن دارم

چند اشعار تشبیبِ قصیدہ

فلک زوال نگیرد ز سینہ اش ناسور
ہزار اگرچہ نہد صبح مرہمِ کافور

ز سینہ تا بہ لبم صد ہزار فرسنگست
ازاں زماں کہ بہ ضبط فغاں شدم مامور

فغاں کہ گرمیِ سوز درون من ہر گام
ز نقشِ پا بہ رہِ من نہد ہزار تنور

به وزن بیت مربع نشستم آورد
دوایریکه زند موج ازو هزار بحور
مدار هر دو یک آهنگ هاں تفاوت هاست
ز زخمهاے دلم تا به زخمهٔ طنبور
ظفر به پرچمے آمد بگیر و دار سخن
بهر کجا که کشیدیم رایت منصور

از دیگر قصیده

عشق مهمانِ من است و خونِ من صهباے وے
لختِ بریانِ دلِ من نقل روح افزاے وے
بس که افشردست دندان بر دلِ صد پاره ام
صد شبیخون برده بر لعلِ یمن لب هاے وے
طوطیِ طبعِ مرا آئینه گردید آفتاب
میچکد زاں آتش از منقار شکّر خاے وے
در پناهِ یک دگر بالد غم و جانِ حزین
آں بود ماواے این و آں بود ماواے وے

غزل ، منه

دلم از کوچهٔ آں زلف دوتا باز آمد
رفته بود آنچه زما باز هما باز آمد
خوں من ریخت بشوخی و حنا بست زکف
پرده انداخته بر رخ ز صبا باز آمد
بخت شد یاور و اقبال قرین گشت یمن
آنچه می خواستم از حق بدعا باز آمد
مدتے بستگیِ بود بکارِ منِ زار
لله الحمد کنوں کار کشا باز آمد

در طلب خسته شدم باز بدرمان رفتم
رفتم از خویش که آن کار کشا باز آمد
یعنی آن جان و تن مدرکه پنلّت‌سن پهول
که بخیر از سفرِ رنج و بلا باز آمد
شاد می باش وزیرا که چنیں شاهِ جهان
بهرِ پرسیدنِ احوالِ گدا باز آمد

حرف الہاء

ہمدمی

ہمدمی تخلص ، شریفہ بانو نام ۔ یہ عورت باوجود حسن و شباب کے شب و روز عبادت حق میں مصروف تھی ، غزل گوئی سے البتہ تھوڑی تھوڑی مالوف تھی ۔ یہ غزل اس کی طبع رنگین سے ہے :

من سوختۂ لالہ رخانم چہ توان کرد
والہ شدۂ سبز خطانم چہ توان کرد

صد تیر بلا و ستم و جور رسیدہ
زان ناوک دل‌دوز بجانم چہ توان کرد

مجنون صفت از عشق بتان زار و نزارم
دیوانۂ لیلیٰ صفتانم چہ توان کرد

اے ہمدمی از جور رقیبان ستم‌گار
بر چرخ بریں رفت فغانم چہ توان کرد

حرف الیاء

یاسمن

یاسمن تخلص ، چنبیلی نام - یہ عورت منجلہ کنیزان انشاء اللہ خان صاحب مرحوم سے نہایت ظباع اور فہیم تھی - اپنا نکاح نہ کرتی تھی - ایک روز انشاء اللہ خان نے بعد فہمائش تمام اس کا نکاح ایک شخص سے کر دیا - سنا ہے کہ بعد نکاح تین روز زندہ رہی ، پھر مر گئی - یہ حال نہ کھلا کہ کیا باعث تھا - القصہ یہ اشعار اس کے تحریر ہوتے ہیں :

آئے کیا جلد خبر کو وہ قضا آنے کے بعد
گھر سے نکلے وہ مری جان نکل جانے کے بعد

یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

سرمہ کھلوایا خموشی نے مجھے
وہ جو منظور نظر یاد آیا

صبر جاتا رہا قرار کے ساتھ
پر مرے دل سے یار تو نہ گیا

یاد

یاد تخلص ، یہ عورت دہلی کی شاہ زادیوں میں سے تھی - ۱۲۹۲ ہجری میں اس نے انتقال کیا - ہنگام نزع جو اس نے ایک

قطعہ لکھا تھا ، وہی گوش زد ہوا ، اور کچھ کلام اس کا ہاتھ نہ آیا :

عبث فکر درماں ہے اے اقربا !
کہ اب یاد تو یاں سے چلنے لگی
سر انجام غسل و کفن کر رکھو
تنِ زار سے جاں نکلنے لگی

یاس

یاس تخلص ہے ، آفتاب بیگم نام ، تازہ خیالان فیض آباد سے ہے - زیادہ حال اس کا واضح نہ ہوا - یہ اشعار اس کے درج تذکرہ ہوتے ہیں :

نہ جلوہ بخش تیرا نور گر اے مصطفیٰ ہوتا
تو دنیا میں نہ کوئی واقف نام خدا ہوتا
تصدق جاؤں میں اپنے رسولؐ پاک کے ہر دم
مری مشکل میں بھی اے یاس وہ مشکل کشا ہوتا
کیا خبر سودائیوں کو موسم گل کی ہوئے
میری تربت پر برسنے رات دن پتھر لگا
اک نہ اک فرقت میں جاناں کی مرض هم کو رها
درد دل گر مٹ گیا درد جگر ہونے لگا

یاسمین

یاسمین تخلص ، تومن نام ہے - سہارن پور اس کے رہنے کا مقام ہے - علم مجلسی میں رشک حسینان بازاری ہے - اگرچہ میں

نے اس کو دیکھا نہیں ، مگر سنتا ہوں کہ عادت کی اچھی یہ بےچاری ہے ۔ یہ معلوم نہیں کہ کس کی صحبت کے اثر سے شاعری کے حال پر عنایت ہے ، یا اس کا استاد اس کے دل کا کہیں لگاؤ اور اندوہ فرقت ہے ۔ غرض یہ دو مطلعے اس کے سنے سنائے لکھے جاتے ہیں ۔

کام آخر ہو چکا کچھ دو ترے بیمار کا
ہے فقط مشتاق اب وہ شربت دیدار کا

کون سے دن رکھنے پھاھا چارہ گر آتے نہیں
پر یہ بھرنے میں مرے زخم جگر آتے نہیں

تمام شد کتاب بہارستان ناز
بعون کرم کریم کار ساز

صحت نامہ اغلاط "بہارستان ناز"

مقدمہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ب	۳	۶۹	۹ے
م	۱۳	حال	ثالث
۱	۴	بلند شہر	سکندرہ آباد ضلع بلند شہر
۱		ملتا	ملتیں
۶	۱۳	حالاں کہ	حالانکہ (آئندہ تمام کتاب میں یہی املا صحیح سمجھا جائے گا)
۱۳	۲۱	۱۹۱۶	۱۹۳۶
۱۵	۳	واہ	وا
۳۰	۶	مے کدہ	میکدہ
۳۰	۷	رکھے گا	رکھئے گا
۳۰	۱۰	توقر	توقیر
۴۳	۹	خورسی	خسّرسی
۵۳	۱۳	سے	کے
۵۳	۲۳	بیتا	بتیا
۵۵	۱	دلآیز	دلآویز
۵۵	۱۹	"گو کے"	"گو" کے
۶۷	۱۳	گلشن انداز	گلشن ناز

متن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۹	۱۸	واسطے	واسطے'
۱۳۹	حاشیہ		۱- کس مزے کی گھبراہٹ ہے
۱۶۱	۲۰	کی	کی'
۱۶۱	حاشیہ		۱- سقم انتشار ضمیرین واقع ہے

مجلس ترقی ادب لاہور کی چار بلند پایہ تحقیقی مطبوعات

- **مومن** : اردو کے مشہور شاعر حکیم محمد مومن خاں مومن کے حالات زندگی (تحقیق کی روشنی میں)
  تالیف کلب علی خاں فائق ۵/۵۰

- **ذوق، سوانح اور انتقاد** : خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق کے سوانح حیات اور ان کی شعری خصوصیات پر جامع تبصرہ۔
  تالیف : ڈاکٹر تنویر احمد علوی
  مقدمہ : پروفیسر سید عابد علی عابد ۸/۰۰

- **مرزا محمد ہادی مرزا و رسوا** : مرزا رسوا اور ان کے ادبی کارناموں کا تعارف۔
  تالیف : ڈاکٹر میمونہ بیگم انصاری ۶/۰۰

- **ڈراما نگاری کا فن** : ڈرامے کی خصوصیات ، تکنیک اور اصناف پر عالمانہ بحث۔
  تالیف : ڈاکٹر محمد اسلم قریشی ۶/۵۰

[illegible]